اتحادِ اُمت و امن کے داعی

گوھر شاہی...گوھر شاہی

انتساب

یہ کتاب ان مخالفین کے نام منسوب کی جاتی ہے جنہوں نے حضرت گوہر شاہی کی روحانی تصنیف کے غلط مطالب لے کو لوگوں کو روحانی تعلیم سے دور کرنے کی کوشش کی اور مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور لگا رہے ہیں۔ یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ وہ سب کچھ اُنہوں نے سب کچھ کتابی علم ہی کو سمجھ رکھا ہے۔اس کتاب میں حوالہ جات سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت گوہر شاہی کی تصانیف برحق ہیں۔اس کتاب میں سب سے پہلے اصل عبارت کو تحریر کیا گیا ہے اور دوسرے نمبر پر اعتراض کی عبارت تحریر ہے اور تیسرے نمبر پر قرآن و حدیث اور دیگر کتب اہل سنت و جماعت کی کتب کے حوالہ جات سے ثابت کیا گیا ہے کہ سرکار گوہر شاہی کی تصانیف مبنی برحق ہیں اور اس روحانی تعلیم پر عمل کر کے دُنیا و آخرت میں کامیابی کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ یہ تصانیف خالی قیل قال نہیں بلکہ عملی راستہ اور طریقہ ہے۔

تحریر و ترتیب: سخی محمد قادری

جن کتب کا حوالہ دیا گیا

1۔قرآن پاک

2۔احادیث شریف

3۔تفسیر مولانا نعیم الدین مرادآبادی، حاشیہ ترجمہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان

4۔نورالہدیٰ، ناشر عرفان منزل، کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان۔

5۔عرفان حصہ اول، دوئم، ناشر عرفان منزل، کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان۔

6۔عین الفقر، ناشر اللہ والے کی قومی دُکان، پبلیکیشنز ایم 109، تاجران کشمیری بازار لاہور۔

7۔مینارہ نور، ناشر انجمن سرفروشانِ اسلام، پاکستان، حیدرآباد۔

8۔روشناس، ناشر انجمن سرفروشانِ اسلام، پاکستان، حیدرآباد

9۔ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ اول، دوئم، سوئم، چہارم، ناشر ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ لاہور،

10۔انوارِ رضا، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ لاہور۔

11۔مخزن الاسرار و ناشر عرفان منزل کلاچی، ڈیرہ اسماعیل خان۔

12۔بہار شریعت، ناشر غلام علی اینڈ سنز تاجران کب کشمیری بازار لاہور۔

13۔کشف المحجوب، ناشر ملک دین اینڈ سنز اشعات منزل، پل روڈ، لاہور۔

14۔اصح التواریخ، ناشر برکاتی پبلی کیشنز، ایم 1139 اقبال کلاتھ مارکیٹ، نزد بولٹن مارکیٹ، بندر روڈ کراچی۔

15۔قصص الانبیاء

16۔تذکرۃ الاولیاء

17۔روحانی سفر، ناشر انجمن سرفروشانِ اسلام، پاکستان، حیدرآباد۔

18۔عالمگیر نبوت، مصنف محمد ہاشم فاضل شمسی، ناشر ادارہ تفہیم القرآن، حیدرآباد۔

****

مقدمہ

مقولہ مشہور ہے کہ جہاں پیار ہوتا ہے وہاں عیب نظر نہیں آتا اس کے برعکس جہاں حسد وبغض اور عناد ہوتا ہے وہاں اُمید کا سورج پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا ہو تو بھی ہر سو مایوسی کا اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔

شاید حسد کی بیماری جس کی کوئی تاریخ ہی نہیں یعنی حسد کی تاریخ بھی انسانی تاریخ جتنی پُرانی ہے۔سب سے پہلا حسد شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے اللہ کے حکم کی سرتابی سے کیا اور بزعم خویش سوچا کہ میں آگ کا بنا ہوا اس مٹی کے بنے ہوئے آدم کو سجدہ کروں۔حالانکہ میں اس سے بہتر ہوں۔باقی ملائکہ نے یہ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی خدائی حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔اور یہ ''مہا بزرگ'' جِــــنّ، اُستاد ہو کر بھی خدائی عطا کردہ مقام کو نہ سمجھ سکا اور اکڑ گیا اور پھٹکارا گیا۔آج بھی اسی فکر کے حامل لوگ شیطان کی پیروی کرنے والے اس شیطانی کام کو آگے چلا رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ جب بھی کسی کو مقام دینا چاہتے ہیں اور مرتبے سے سرفراز کرنا چاہتے ہیں تو حاسدین کی فصل بھی اُگ آتی ہے۔حاسدین بغض کی وجہ سے انگلیاں چباتے رہتے ہیں اور دوسری طرف ان کی ناپسندیدہ ہستی کو بلندی عطا ہوتی رہتی ہے۔پھول اور کانٹے کا پیدائشی ساتھ ہے۔ہر ایک کو قدرت کی طرف سے عطا کردہ ظرف ہے اور یہی ظرف مقام ومرتبہ کا تعیّن کرتا ہے۔

ہاں تو پھول اور کانٹے ایک ہی جگہ رہنے پر مجبور ہیں۔دونوں یکجا ہو کر بھی یکجا نہیں ہم عصر ہو کر بھی ہم سفر نہیں بن سکے حالانکہ دونوں کو ایک ہی فضا میسّر ہے اور خوراک بھی ایک ہی ٹہنی سے مل رہی ہے، جڑ بھی ایک زمین بھی ایک ہے۔لیکن دونوں کے خواص اور دائرہ کار الگ الگ ہیں۔کانٹے کا کام زخموں کو کریدنا، زخمی کرنا اور ہر کس وناکس کے دامن سے الجھنا ہے جبکہ پھول کا کام ماحول کو معطر کرنا، فضا میں رنگ بکھیرنا اور بیماروں کی دِل جوئی کرنا ہے۔اسی طرح شاہین اور کرگس (گدھ) کی طرف دیکھئے۔ماحول اور فضا سب کے لئے ایک جیسا ہے مگر اہمیت اور طبیعت میں کس قدر فرق ہے۔ایک عزم وہمت کی علامت اور دوسرا مردہ جسموں کو نوچنے کا نشان:

؎ پرواز ھے دونوں کی ایک فضا میں کرگس کا جھاں اور ھے شاھیں کا جھاں اور

اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے ہم حضرت سیدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہُ العالی کو اُن دلائل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں کہ قبلہ و کعبہ سیدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہ العالی کے حاسدین کی ایک فوج ظفر موج ہے۔یہ پنیری ہر سو بکھری پڑی ہے۔یہ مینڈک

ہر موسم میں ٹراتے ہیں۔ یہ مگر مچھ دریائے حیات کی ہر لہر میں چھپے ہوئے ہیں اور اپنی کارستانیوں سے فضا کو دھواں دھواں کرتے رہتے ہیں لیکن ادھر گنبد خضریٰ کا فیضان جو انجمن سرفروشانِ اسلام پر ہے اس کا یہ عالم ہے کہ ختم ہونے کو نہیں آتا۔ یہ کرم تھمتا نہیں۔ برکات ختم ہونے کو نہیں آتیں۔ فیض کا تسلسل ٹوٹتا ہی نہیں اور یہ سلسلہ ختم ہو بھی کیسے؟ جب دینے والا ہاتھ تھکتا نہیں، فیض کے خزانے بیشمار ہیں، برکات کی بھی کوئی حد نہیں۔ سوالی کو وہاں جھڑک نہیں بلکہ کومل (نرم) لہجے میں پوچھا جاتا ہے اور تو نہیں چاہیئے؟ جس در پر مانگنے کا سلیقہ بھی سکھایا جاتا ہے اور جھولی بھی بھری جاتی ہے اور بعد میں سائل کیلئے دعا بھی کی جاتی ہے۔ قرب اور گنبد خضریٰ کا فیضان گوہر شاہی پر اتنا عطا کیا گیا جسکی انتہا نہیں۔ سرکار گوہر شاہی فرماتے ہیں:

''محمد ﷺ جو کچھ پڑھاتے ہیں وہی بتاتا ہوں''

اِن حاسدین میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں۔ کم ظرف سیاسی فرعون بھی ہیں، کم نظر معاشی قارون بھی ہیں، رسمی روحانیت کے کم کوش بلعم باعور بھی ہیں، عاجلانہ فتویٰ بازی کا شوق رکھنے انقلاب دشمن اور قابیلی طبقے جیسے متشدد بھی، مسلکی پروہت بھی ہیں جنہوں نے مسلک کے داخلہ / خارجہ رجسٹر کا چارج سنبھال رکھا، جسے چاہا مسلک سے خارج کرنے کا فتویٰ دے دیا اور جسے چاہا مسلک کے اندر لانے کا۔ مگر اس فن سے بے بہرہ ہیں۔

؎ ھوا ھے گو تیز لیکن چراغ اپنے جلا رھا ھے وہ مردِ درویش حق نے جسے دیئے اندازِ خسروانہ

آپ کی آواز عوام تک پہچانے کے لئے باڑیں لگائیں گئیں۔ اس عہد ساز ہستی کا راستہ روکنے کے لئے پولیس کے ناجائز چھاپے اور بم برسائے گئے عوام کے دلوں نکالنے کے لئے بونے قد کے صحافی خرید کر مخالفانہ مضمون لکھوائے گئے اور لکھوائے جارہے ہیں۔ یہ دشمنی اور حسد صرف سرکار گوہر شاہی کے حصے میں نہیں آئی بلکہ بڑی نابغہ روزگار ہستیاں اسی بغض کی بھینٹ چڑھتی رہتی ہیں۔ یہ تاریخ کا تسلسل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان ہستیوں کے بارے میں ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں جبکہ سرکار گوہر شاہی سے یہی سلوک عملی طور ہوتا ہوا ہم سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

ذرا تاریخ کی ورق گردانی کیجئے امام غزالیؒ کو احیائے علوم لکھنے پر شہر بدر کر دیا گیا تھا، امام احمد بن حنبلؒ کے ہاتھوں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر آپ کے جسم کو کوڑوں سے لہولہان کیا گیا۔ امام شافعیؒ پر شہر بغداد اور بعد ازاں مصر کی زمین تنگ کر دی گئی۔ امام ابوحنیفہؒ جن کی فقہ کے ماننے والے سب سے زیادہ ہیں ان پر اعتراض تھا کہ آپ قرآن و سنت کی

بجائے اپنی رائے کو فوقیت دیتے ہیں ان کو بھی کوڑے مارنے والے اپنے وقت کے یزید حکمران تھے، بیگانہ کوئی نہ تھا۔ بالآخر اس مردِ مجاہد اور امام اُمت کا جنازہ بھی جیل کی کوٹھری سے نکلا۔ امام مالکؒ کو اونٹ پر بٹھا کر مجرموں کی طرح ان کی تضحیک کی گئی۔ امام ابوالحسن شاذلیؒ اور شیخ بایزید بسطامیؒ جیسے اولیاء و عرفاء کفر کے فتوؤں سے بچ نہ سکے۔ امام بخاریؒ، الفارابیؒ، ابنِ رُشدؒ اور ابنِ سیناؒ سے لے کر مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلوی تک ہر ایک کے ساتھ یہی سلوک ہوا۔ شاعرِ مشرق کب معاف کیئے گئے؟ مگر آج دُنیا اُنکی عظمت کو تسلیم کرتی ہے۔

ے پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اسلامی نظامِ تعلیم کی تباہی کے ذریعے اسلام دشمنوں نے دینی مدارس کو محض علوم شریعہ تک محدود کر دیا ہے اور اس سازش کا شکار ہو کر صدیوں پُرانے علوم کو ہی دینی تعلیم سمجھا جانے لگا۔ جس کے نتیجے میں دین کے نام پر مذہب، مذہب کے نام پر مسلک، مسلک کے نام پر فرقہ اور فرقے کے نام پر نفرت کا زہر گھولا جانے لگا۔ علمائے دین کی اکثریت دوسروں کو کافر ثابت کرنے کو اپنا فریضہ اولین سمجھنے لگی۔ عام مسلمان حیران ہیں کہ اگر تمام علماء کے فتوؤں کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر پاکستان میں تو کوئی مسلمان کہلانے کا حقدار نہ بچے گا۔

اس کتاب کی تحریر کچھ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے سیدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہُ العالی کی تصانیف کی اصل عبارت کو تحریر کیا گیا ہے۔ بعدازاں اعتراض والی عبارت تحریر ہے جسکو اعتراض کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مفصّل جواب تحریر ہے۔ آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کو پڑھ کر خود فیصلہ کریں کہ تصوف میں کس کی کتاب کی تحریر قابلِ عمل، سچی اور صحیح ہے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین

اس پوری تحریر کا ذمہ دار راقم الحروف (سخی محمد قادری) ہے۔

سخی محمد قادری

موبائل نمبر: 03007539562

خدا کی بستی نمبر 1، تعلقہ کوٹری، ضلع جامشورو

اعتراضات اور اُن کا جواب

اصل عبارت:

ذکر کی زکوٰۃ ایک عام مسلمان کے لئے پانچ ہزار روزانہ اور امام مسجد کی زکوٰۃ پچیس ہزار ہے تب اس کو اماموں پر فضیلت ہے، غوث وقطب کا درجہ حاصل کرنے کے لئے بہتر (72) ہزار کی زکوٰۃ ہے تب اس کو اماموں پر فضیلت ہے۔ اور فقیر کی زکوٰۃ سوا لاکھ ہے تب اسے غوث وقطب پر فضیلت ہے، جس طرح وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی اسی طرح ہر درجہ کے مطابق ذکر کے بغیر نماز بھی نہیں ہوتی، خواہ وہ سجدوں سے کیوں نہ کمر ٹیڑھی کر لیں۔

اعتراض:

کتاب روشناس کے صفحہ نمبر 3 پر نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو اسلام کے وقتی رکن کہا گیا ہے کہ روزانہ پانچ ہزار مرتبہ عوام، پچیس ہزار مرتبہ امام اور بہتر (72) ہزار مرتبہ اولیاء کرام کو ذکر کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے کہ ہر درجہ کے ذکر کے بغیر نماز بے فائدہ ہے اگرچہ سجدوں سے کمر کیوں نہ ٹیڑھی ہو جائے۔

جواب/ تشریح:

روشناس میں اسلام کے چار ارکان کو اس طرح لکھا گیا ہے، چار وقتی ہیں یعنی ہر ایک رکن کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔

نمبر 1 نماز: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان الصلوٰۃ کنت علی المومنین کتابا موقوتا. ”: بے شک نماز ایمان والوں پر فرض ہے وقت باندھا ہوا۔“ دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: سبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون ولہ ما فی السموات والارض عشیا وحین تظھرون. ”اللہ کی تسبیح کرو جس وقت تمہیں شام ہو (نمازِ مغرب وعشاء) اور جس وقت صبح ہو (نماز فجر) اور اسکی حمد آسمانوں اور زمین میں اور پچھلے پہر کو (نماز عصر) اور جب تمہیں دِن ڈھلے (نمازِ ظہر)“۔ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق پانچ نمازوں کے اوقات مقرر کیے گئے ہیں۔

نمبر 2 زکوٰۃ: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ومما رزقنٰھم ینفقون ” اور حقیقی مومن وہ ہیں کہ ہم نے جو انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں“۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون ”اور فلاح پاتے ہیں جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں“۔

زکوٰۃ شریعت میں اللہ کے لئے مال کے ایک حصہ کا، جو شرع نے مقرر کیا ہے، مسلمان فقیر کو مالک کر دینا۔ زکوٰۃ فرض ہے اس کا منکر کافر اور نہ دینے والا فاسق اور قتل کا مستحق اور ادا میں تاخیر کرنے والا گناہگار و مردود الشہادۃ ہے (بہارِ شریعت پنجم صفحہ نمبر 10)

نمبر3 روزہ: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يا ايها الذين آمنو كتب عليكم الصيام

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن

''مہینہ رمضان کا جس میں قرآن اُتارا گیا''۔ یہاں مہینہ متعین کر دیا گیا۔

نمبر4 حج: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا ''اور اللہ کے لئے لوگوں پر حج ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو اُس کے لئے راستہ ہے''۔ حج نام ہے احرام باندھ کر نویں ذی الحجہ کو عرفات میں ٹھہرنے اور کعبہ معظّمہ کے طواف کا اس کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہے کہ اس میں یہ افعال کیے جائیں تو حج ہے۔ سن 9 ہجری میں فرض ہوا۔ اس کی فرضیت قطعی ہے جو اس کی فرضیت کا انکار کرے کافر ہے مگر عمر میں صرف ایک بار فرض ہے۔

(بہارِ شریعت ششم، صفحہ نمبر 7)

اول: نماز کے اوقات مقرر ہیں اور ہر ایک نماز کی رکعتیں مقرر کی گئی ہیں۔

دوئم: زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے نصاب زکوٰۃ مقرر کیا گیا ہے اور اس کی مدت اسلامی ایک سال پورا ہونے کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔

سوئم: روزوں کی تعداد یعنی ایک مہینہ مقرر کیا گیا ہے اور روزے کی ابتداء اور انتہاء جسے ہم سحری وافطاری کہتے ہیں، وقت مقرر کیا گیا ہے۔

چہارم: حج ادا کرنے کی جگہ مقرر ہے، اس جگہ کے بغیر حج نہیں ہوسکتا، مہینہ اور دِن مقرر کیے گئے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے فرائض کو روشناس میں اس طرح لکھا گیا ہے کہ چار وقتی ہیں تو یہ قرآن کریم کے عین مطابق ہے اس پر اعتراض کرنے والا قرآن پاک کا انحراف کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

نمبر2: اصل عبارت میں ذکر (یعنی ذکرِ اللہ) کی زکوٰۃ کا لفظ تحریر ہے نہ کہ ''لازمی'' کا لفظ لکھا گیا ہے۔

عام مسلمان:

اسلام میں مال کو پاک صاف کرنے کے لئے اس کی زکوٰۃ مقرر کی گئی ہے اور نفس کو پاک صاف کرنے کے لئے سال میں ایک ماہ کے روزے فرض کیے گئے ہیں اور دِل کو صاف کرنے کا آلہ ذکر اللہ ہے۔ ہر ایک چیز کو پاک صاف کرنے کے لئے جو چیز استعمال کی جاتی ہے وہ اس کی زکوٰۃ ہے۔ ذکر اللہ کی زکوٰۃ عام مسلمان کے لئے 5 ہزار روزانہ روشناس کی عبارت میں تحریر ہے اور یہ کوئی ناممکن یا مشکل بھی نہیں ہے اس لئے کہ لفظ اللہ کا تکرار چار رکعت والی نماز کے دوران قریباً 62 مرتبہ آتا ہے۔ جس میں

تکبیرات (اللہ اکبر، الحمداللہ، اعوذ باللہ، بسم اللہ اور التحیات للہ اور قرآن پاک کی کوئی سورت تلاوت کی جائے) جس میں لفظ اللہ آتا ہے جیسا کہ قل ھو اللہ احد تو تعداد اس سے بھی زیادہ ہوجاتی ہے اور پانچ نمازوں میں لفظ اللہ یا اللہ کا تکرار 525 مرتبہ یا زیادہ ہوجاتا ہے۔ یہ نماز پڑھنے کے دوران لفظ اللہ کا ذکر ہوا۔ اور اگر قرآن پاک کی آیت جو کہ پارہ 5 رکوع 12 میں مذکور ہے جس کا ترجمہ ہے: "پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر"۔ (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی)۔ اگر اس آیت پر عمل کرتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے اجتماعی یا انفرادی طور پر مقتدی حضرات اسم ذات اللہ کا ذکر کرلیں تو پانچ ہزار یا اس سے بھی زیادہ ہوسکتا ہے جس طرح نماز اللہ کی عبادت ہے اسی طرح ذکر اللہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور کثرتِ ذکر عام مسلمان پانچ ہزار مرتبہ کرسکتا ہے اور عبادت کی زیادتی ہی انسان کو متقی اور پرہیز گار بناتی ہے۔ جیسا کہ معراج شریف کی رات پچاس نمازیں اُمت مصطفیٰ ﷺ پر فرض ہوئیں اور بسفارش حضرت موسیٰ پانچ رہ گئیں یعنی کُل پچاس نمازوں میں لفظ اللہ کا تکرار 5250 مرتبہ آتا ہے اور چونکہ پانچ نمازیں فرض کی گئیں ہیں تو اگر عام آدمی 5000 مرتبہ لفظ اللہ کا ذکر کرے گا تو اُسے پچاس نمازوں کا ثواب حاصل ہوجائے گا اور قرآن پاک کی اس آیت پر عمل ہوجائیگا کہ جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کا ذکر کرو۔ اس وجہ سے روشناس میں تحریر ہے کہ پانچ ہزار مرتبہ عام آدمی اللہ کا ذکر کرے یہ اس مرتبے، درجے کی زکوٰۃ ہے۔ روشناس میں یہ ذکر اللہ کی زکوٰۃ عام مسلمان کے لئے ہے اور اگر نہ کرے صرف نماز ہی ادا کرے تو بھی فرض اسکے ادا ہوجائیں گے۔

2: روشناس میں امام مسجد کے لئے 25 ہزار مرتبہ ذکر اللہ کی زکوٰۃ تحریر ہے۔ کشف المحجوب میں داتا علی ہجویری فرماتے ہیں، جاہ ومنزلت کے لئے زکوٰۃ ہوتی ہے جیسا کہ مال میں کیونکہ وہ بھی کامل نعمت ہوتی ہے۔ اس لئے رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے:

ان اللہ تعالیٰ فرض علیکم زکوٰۃ جاھکم کما فرض علیکم زکوٰۃ مالکم

یعنی تحقیق اللہ عزوجل نے تم پر تمہارے مرتبے کی زکوٰۃ فرض کی ہے جیسا کہ تمہارے مال پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔

اور نیز فرمایا: **ان لکل شئ زکوٰۃ و زکوٰۃ الدار بیت الضیافه**

"بیشک ہر شئے کے لئے زکوٰۃ ہے اور تمہارے گھر کی زکوٰۃ مہمانداری ہے"۔

اور زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کا شکر گزارنا ہوتا ہے اور نیز اسی جنس سے تندرستی کی نعمت بہت بڑی نعمت ہے اور ہر عضو کے لئے زکوٰۃ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو عبادت میں مشغول رکھے اور کسی لہو ولعب کی طرف انہیں مشغول نہ کرے تاکہ نعمت کی زکوٰۃ کا حق ادا کرنے والا ہو۔ پس، باطن کی نعمت کے لئے بھی زکوٰۃ ہے اور اس کی حقیقت بے شمار ہے کیونکہ یہ نعمت بہت بڑی ہے۔ پس اس کی زکوٰۃ بھی ضروری ہے اور وہ ظاہری اور باطنی نعمت کا عرفان ہونا ہے۔ جب بندہ نے جان لیا کہ خداوند تعالیٰ کی نعمت اس پر بے اندازہ ہے تو بے حد شکر گزار رہنا چاہیے اور بے حد شکر گزار ہونا نعمت بے اندازکی زکوٰۃ ہوتی ہے (کشف المحجوب صفحہ 376، حصہ سوئم)

امام مسجد کے لئے مولانا امجد علی بہارِشریعت میں تحریر فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ مستحقِ امامت وہ شخص ہے جو نماز و طہارت کے احکام کوسب سے زیادہ جانتا ہواس کے بعدوہ شخص ہے جوقرأت کا علم زیادہ رکھتا ہواگرکئی اشخاص ان باتوں میں برابر ہوں تو پھروہ کہ جوزیادہ پرہیز گار ہو، اگرکئی اشخاص اس میں برابر ہوں تو زیادہ عمروالا یعنی جس کا زیادہ زمانہ اسلام میں گزرا، اگرکئی اشخاص ان باتوں میں برابر ہوں تو وہ کہ زیادہ پرہیز گار، اگراس میں کئی اشخاص برابر ہوں تو وہ زیادہ وجاہت والا یعنی تہجد گزار کہ تہجد کی کثرت سے آدمی کا چہرہ زیادہ خوبصورت ہوجاتا ہے پھرزیادہ خوبصورت پھرزیادہ عزت والا پھروہ جس کے کپڑے زیادہ صاف ستھرے ہوں۔(بہارِشریعت،حصہ سوئم صفحہ 115)

روشناس میں بھی یہی تشریح کی گئی ہے۔امام مسجد بانسبت مقتدیوں کے زیادہ افضل ہونا چاہیے تو وہ اللہ کی عبادت بھی زیادہ کرنے والا ہواس لئے امام مسجد کے ذکر کی زکوٰۃ 25 ہزار دفعہ رُتبے کے لحاظ سے تحریر کی گئی ہے تو اس کومقتدیوں پرفضیلت ہے جس طرح مندرجہ بالاتحریرمیں ہراوصاف کی زیادتی کی تشریح کی گئی کہ زیادہ اچھےاوصاف کا رکھنے والا امام مسجد ہونا چاہیے۔

روشناس میں فضیلت کا لفظ تحریرہے لازمی کا لفظ تحریر نہیں ہے جیسا کہ معترض نے لکھا ہے۔افسوس ایسے کم عقل معترض پر ہے کہ جس کوفضیلت اور لازمی کے فرق کا پتہ ہی نہیں ہے۔اس فرق کی وضاحت اس طرح ہے کہ لازمی لفظ کا استعمال شرط کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح نماز کے لئے وضولازمی ہے۔یعنی شرط ہےاور روزے کے لئے نیت شرط ہے۔بغیروضوکے نماز اور بغیرنیت کے روزے کا وجود ہی قائم نہیں ہوتا اگرچہ نماز بغیروضوکے پڑھ بھی لےاور بغیرنیت کے سارادِن بھوکا پیاسا رہ بھی جائے تو نہ نماز ہوگی اور نہ ہی روزہ۔یہ لازمی کا مفہوم ہے۔اورفضیلت کا معنی جیسا کہ قرآن پاک کے تیسرے پارے کی ابتداء ہے، یہ رسولوں کی جماعت ہے اللہ نے بعض کوبعض پرفضیلت دی ہے۔یعنی رسالت میں سب رسول برابر ہیں لیکن فضیلت میں رسولوں کی جماعت سے ہمارے آقائے نامدار حبیب خدا ﷺ کا مرتبہ بلند، افضل اوراعلیٰ ہے اور صحابہ کرام کی جماعت میں سیدنا صدیقِ اکبرؓ کوفضیلت ہےاوراولیائے کرام کی جماعت میں سیدنا غوث الاعظم محبوب سبحانی کوفضیلت ہے۔

اسی طرح روشناس میں امام مسجد کے لئے کثرتِ ذکر سے مراداس کے مرتبے کا افضل ہونا ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ایسی فضیلت والا امام میسر نہ ہوتو کوئی امامت ہی نہ کرائے یا امام مسجد ہوہی نہیں سکتا۔امامت کی مزید تشریح کتب فقہ میں تحریر کی گئی ہے کہ کون کون اشخاص امامت کراسکتے ہیں۔

3۔ روشناس کی عبارت میں درجات کے لحاظ سے غوث وقطب کا درجہ حاصل کرنے کے لئے 72 ہزار(ذکراللہ کرنے کی) زکوٰۃ ہے۔اس لیے کہ یہ درجاتِ سلوک ہیں۔ان کی عبادت بھی درجات کے لحاظ سے تحریر کی گئی ہے اوران درجات کواعلحضرت فاضل بریلویؒ نے بھی ملفوظات میں یوں تحریر کیا ہے۔

عرض: درجاتِ فقر ترتیب وار ارشاد ہوں کہ جب طالب سلوک کی راہ چلتا ہے اول کون سا درجہ حاصل ہوتا ہے پھر کون سا؟

ارشاد: صلحاء، سالکین، قانتین، واصلین، اب ان واصلوں کے مراتب ہیں۔ نجباء، نقباء، ابدال، بدلاء، اوتاد، امامین، غوث، صدیق، نبی، رسول۔ تین پہلے سیر الی اللہ کے ہیں باقی سیر فی اللہ کے اور ولی ان سب کو شامل ہے۔

(ملفوظات اعلحضرت حصہ چہارم صفحہ 356)

غوث وقطب کے درجات قلبی عبادت سے حاصل ہوتے ہیں اور اس قلبی عبادت کی تعریف کرتے ہوئے اعلحضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں: ''قلبِ جاری وہ ہوتا ہے جو خدا اور رسول ﷺ کے ذکر میں جاگتا رہے''۔

(ملفوظات اعلحضرت حصہ اول صفحہ 12)

4: روشناس کی عبارت میں فقیر کی زکوٰۃ سوا لاکھ روزانہ ہے، تحریر کیا گیا۔ فقیر کے اوصاف بیان کرنے سے قبل اولیاء اللہ کی پہچان جس کو اعلحضرت فاضل بریلوی نے تحریر فرمایا ہے:

عرض: اولیاء اللہ کی کیا پہچان ہے؟

ارشاد: حدیث میں حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اولیاء اللہ الذین اذارؤ واذکر اللہ ''

''اولیاء اللہ وہ ہیں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آئے''(ملفوظات اعلحضرت حصہ چہارم صفحہ 400)

اور اسی طرح کی عبارت نورالھدیٰ میں تحریر ہے۔ حقیقی فقیر وہی ہے جس کی صحبت میں بیٹھنے سے دِل اللہ کی طرف جھک جائے اور ذکر اللہ سے دِل میں جنبش پیدا ہو جائے۔ حقیقی فقیر کی پہچان یہی ہے۔

فقیر کے اوصاف:

فقر کے تین حروف ہیں۔ ہر حرف کو اللہ تعالیٰ سے ہزار عزت اور صد شرف حاصل ہے۔ حدیث شریف **الفقر فخری و الفقر مِنّی** ۔حرف 'ف' سے فقیر کو فرض عین ہے۔ فنائے نفس، بقائے قلب، لقائے روح اور شرفائے بدن ہے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ہم مجلس صاحب انجمن ہو۔ حرف 'ق' سے قالب وقلب باقرب، قاتل قہر بر نفس، قبلے کی طرف سر بسجود ہو۔ یہ 'ق' قاعدہ فقر کا اول حرف ہے اور حرف سے رویت بین حضرت رب العالمین صاحب حق الیقین اور غالب شیطان لعین ہو۔ طالب صادق مُرشد کامل کی نظر لطف وکرم سے قرب حق تعالیٰ کے اس مرتبہ اعلیٰ کو پہنچ جاتا ہے اور اگر فقیر قرب اللہ سے منہ موڑے اور حرص وطمع دُنیا اور لذات دُنیا میں قدم رکھے تو اللہ تعالیٰ سے عاق ہو جاتا ہے۔ یعنی فقر کے حرف 'ف' سے فرعون کی طرح اہلِ فضیحت اور حرف 'ق' سے قارون کی طرح مقہور اور 'ر' سے رَدّ مردود مثل ابلیس ہو جاتا ہے (نورالھدیٰ صفحہ 237)

فقر پایا از حضور مصطفےٰ ؎ واقف ہوں میں از خدا

نیز فرماتے ہیں جو شخص معرفت، ہدایتِ فقر کے خاص الخاص مرتبے پر پہنچ کر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت میں دوام منظور اور مجلس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ میں دوام حضور ہو جائے وہ شخص بے شک اشرف البشر حضرت آدم کا لائق فرزند اور حضور پاک ﷺ کا خاص الخاص اور برگزیدہ اُمتی ہے۔ علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل، آنحضرت کی اُمت کے علماءِ عاملین ہی عارفین اور فقراء کاملین ہیں اور بس۔ (نورالھدیٰ صفحہ 236)

مولف ایسے اوصاف والے فقراء کا مرتبہ غوث اور قطب سے افضل و اعلیٰ ہے ایسے مراتب والوں کی ذکر اللہ کرنے کی زکوٰۃ سوا لاکھ روشناس میں تحریر ہے۔ کتاب نورالھدیٰ کا مطالعہ کر کے فقراء کی تشریح پڑھی جا سکتی ہے۔ جس طرح وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی اس طرح ہر درجہ کے مطابق ذکر کے بغیر بھی (یعنی حاضری دِل کے بغیر بھی) نماز نہیں ہوتی خواہ سجدوں سے کمر ٹیڑھی کر لیں۔ اس پورے جملے کو علماء کے اصرار پر حذف کر دیا گیا ہے۔ چونکہ اعتراض برائے اعتراض ہے، اس لئے تحریر کیا جا رہا ہے۔ اور جس نماز کے لئے یہ جملہ استعمال کیا گیا ہے، واقعات کی روشنی میں، اس نماز کا ذکر کیا جاتا ہے۔ نماز ادا کرنے کی کچھ شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط وضو ہے اس لئے وضو کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ شرط مفقود ہے۔ لہٰذا، مشروط (نماز) وجود میں ہی نہیں آسکتی۔

نماز ادا کرنے کی تشریح اس طرح ہے کہ زبان سے اقرار اور جسم سے عمل یعنی رکوع و سجود اور دِل تصدیق کرے۔ اگر جسم کا عمل اور اقرارِ زبان ہے اور دِل دُنیا کے خیال میں ہے تو یہ ریا میں شامل ہے۔ اعلحضرت فاضل بریلوی نے بھی اس کی تشریح اس طرح کی ہے:

عرض: اگر دُنیا کے لئے نماز روزہ رکھا تو فرض ادا ہوگا یا نہیں؟

ارشاد: (معاذ اللہ) فقہی نماز، روزہ کا مستحق ہو جائے گا کہ مفسدہ نہ پایا گیا۔ ثواب نہ ملے گا بلکہ عذابِ نار ہوگا، روزِ قیامت اس سے کہا جائے گا او فاجر! او غادر! او خاسر! او کافر! تیرا عمل ضبط ہوا اپنا اجر اس سے مانگ جس کے لئے کرتا تھا۔ یہی ایک برائی ریا کی مذمت کے لئے کافی ہے۔ (ملفوظاتِ اعلحضرت حصہ اول صفحہ 80)

مزید ایسی نماز کی تشریح کرتے ہوئے فاضل بریلوی فرماتے ہیں، آج کل لوگوں میں عام طور سے یہی عادت ہے غسل میں جس قدر احتیاط چاہیے، آجکل بے احتیاطی ہے اللہ معاف فرمائے (پھر فرمایا) نماز میں سجدہ کرتے ہیں کہ پاؤں کی انگلیوں کے سرے زمین پر لگتے ہیں حالانکہ حکم ہے (انگلیوں کا) پیٹ لگنا فرض ہے، اور سب کا سنت ہے، پھر صرف ناک کی نوک پر سجدہ کرتے ہیں، حالانکہ حکم ہے کہ جہاں تک ہڈی کا سخت حصہ ہے لگنا چاہیے عموماً دیکھا جاتا ہے کہ رکوع سے سر اُٹھایا اور سجدہ کی طرف چلے گئے سجدہ سے ایک بالشت سر اُٹھایا یا بہت ہوا ذرا اُٹھا لیا وہیں دوسرا سجدہ ہو گیا حالانکہ پورا سیدھا کھڑا ہونا اور بیٹھنا چاہیے اس طرح اگر 60 برس بھی نماز پڑھے گا قبول نہ ہوگی۔

ایک شخص مسجد اقدس میں حاضر ہوا اور بہت تیزی سے جلدی جلدی نماز پڑھی بعد نماز حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔فرمایا:
وعلیک السلام ارجع فصل فانک لم تصل واپس جا پھر یہی ارشاد ہوا آخر میں انہوں نے عرض کی قسم اسکی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا مجھے ایسے ہی آتی ہے حضور فرمائیں۔فرمایا رکوع و سجود باطمینان کر اور رکوع سے سیدھا کھڑا ہو اور دونوں سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھ۔(ملفوظات اعلحضرت حصہ دوئم صفحہ 220)

اب اس قسم کی حکایت جو کہ تذکرۃ الاولیاء اور عرفان حصہ دوئم میں تحریر ہے درج کی جاتی ہے جس کا مضمون یہ ہے:

''حضرت مالک بن دینار، آپؒ نہایت خوبصور اور دولت مند تھے اور دمشق میں سکونت پذیر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تیار کردہ مسجد میں اعتکاف کیا کرتے۔ایک مرتبہ خیال آیا کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ مجھ کو اس مسجد کا متولی بنا دیا جائے چنانچہ آپ نے اعتکاف پر اعتکاف کیا اور ایسی نمازیں پڑھیں کہ ہر شخص آپ کو ہر وقت نماز میں مشغول دیکھتا لیکن کسی نے بھی آپ کی طرف توجہ نہیں کی۔پھر ایک سال کے بعد جب آپ مسجد سے برآمد ہوئے تو ندائے غیبی آئی کہ اے مالک بن دینا رتجھے توبہ کرنی چاہیے۔چنانچہ ایک سال تک اپنی خودغرضانہ عبادت پر شدید رنج و شرمندگی ہوئی اور آپ نے اپنے قلب کو ریا سے خالی کر کے خلوص نیّت کے ساتھ ایک شب عبادت کی تو صبح کے وقت دیکھا کہ مسجد کے دروزے پر ایک مجمع ہے جو آپس میں کہہ رہا ہے کہ مسجد کا انتظام ٹھیک نہیں ہے لہٰذا اس شخص کو متولی مسجد بنا دیا جائے اور تمام انتظامی امور اس کے سپرد کر دیئے جائیں۔اس کے بعد متفق ہو کر پورا مجمع آپ کے پاس پہنچا اور جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے تو عرض کیا کہ ہم باہمی متفق فیصلے سے آپکو مسجد کا متولی بنانا چاہتے ہیں آپ نے اللہ سے عرض کیا کہ اے اللہ میں ایک سال تک ریا کارانہ عبادت میں اس لئے مشغول رہا کہ مجھے مسجد کی متولیت حاصل ہو جائے مگر ایسا نہ ہوا اب جب کہ میں صدق دِل سے تیری عبادت میں مشغول ہوا تو تیرے حکم سے تمام لوگ مجھے متولی بنانے آپہنچے اور میرے اوپر یہ بار ڈالنا چاہتے ہیں لیکن میں تیری عظمت کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نہ تو اب متولیت قبول کروں گا اور نہ ہی مسجد سے باہر نکلوں گا۔یہ کہہ کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔''

(تذکرۃ الاولیاء صفحہ 24-23، عرفان صفحہ 343)

مختصراً ایک اور واقعہ جو کہ عرفان حصہ دوئم میں درج ہے:

''ایک دکاندار خوجے کی نسبت مشہور ہے کہ جب وہ کوئی گاہک بھول جاتا تھا یا کسی کے ذمے کوئی رقم یاد سے اُتر جاتی تھی تو اسے یاد کرنے کے لئے دو رکعت نفل پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔چونکہ نماز میں شیطان بطور وسوسہ دُنیا کی بھولی ہوئی باتیں یاد دِلا دیتا ہے اس لئے اس خوجے کو وہ گاہک یا وہ رقم فوراً یاد آجاتی تھی سو،اس قسم کی نماز کا بدلہ آخرت میں اُلٹا خدا تعالیٰ کا قہر اور عذاب ہوگا۔''
(عرفان حصہ دوئم صفحہ 343)

روشناس میں ایسی نمازیں جن کا تذکرہ ملفوظات اعلحضرت اور عرفان میں کیا گیا ہے کے بارے میں لکھا ہے کہ خواہ وہ سجدوں سے کمر کیوں نہ ٹیڑھی کرلیں۔

اب ہر درجہ کے مطابق ''ذکر (حاضری دِل) کے بغیر بھی نماز نہیں ہوتی'' کی تشریح کی جاتی ہے۔

نیت کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ صورت کے بجائے قلب کو دیکھتا ہے''۔اسی لیے روزِ محشر تمام محاسبہ صورت کے بجائے نیت پر ہوگا۔لہٰذا، جو عورت ریاضت عبادت میں مردوں کے مماثل ہو اس کو بھی مردوں کی صف میں شمار کرنا چاہیے۔(تذکرۃ الاولیاء، مناقب حضرت رابعہ بصریؒ صفحہ 38)

خواص کی نماز:

جس کو فقیر نور محمد نے بھی عرفان حصہ دوئم میں تحریر فرمایا ہے، حقیقت نماز کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حدیث شریف میں آیا ہے، انما الاعمال بالنیات یعنی اعمال کا حسن اور قبح نیت پر موقوف ہے اور دوسری حدیث میں آیا ہے ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الیٰ اعمالکم و لکن ینظر الیٰ قلوبکم و نیاتکم یعنی اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہارے ظاہری اعمال کو دیکھتا ہے بلکہ تمہارے دِلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔ورنہ اگر خالص نیت سے کوئی بھی عمل کیا جائے اس پر اسی وقت فوری نتیجہ مرتب ہوتا ہے، سو اعمال میں سے ایک دو اعمال کا یہاں تھوڑا سا ذکر کیا جاتا ہے جس سے اس کی کیفیت اور نیت کے اس کے حسن و قبح پر روشنی پڑتی ہے۔اس میں ایک نماز ہے جو روزانہ پانچ وقت ادا کی جاتی ہے جس کی نسبت حدیث میں آیا ہے ان الصلوۃ معراج المومنین عینی نماز مومن کے لئے معراج کا درجہ رکھتی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ حی قیوم اور شہہ رگ سے بندے کے نزدیک ہے کوئی جامد پتھر کا بت نہیں ہے بلکہ سمیع و بصیر اور کلیم ہے کہ بندہ اسے پکارے اور جواب نہ دے۔خدا کے ایسے خاص بندے ہیں کہ جس وقت وہ نماز کے اندر سجدے میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں کہ سبحان ربی الاعلیٰ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر دفعہ خطاب ہوتا ہے، لبیک یا عبدی یعنی اے میرے بندے میں حاضر ہوں مانگ جو کچھ مانگتا ہے۔یہ تو اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص چیدہ اور برگزیدہ محبوب بندوں کی نماز کا معاملہ ہے۔

لیکن متوسط مومن متقی بھی اگر نماز کو اخلاص نیک نیتی اور اچھی طرح ادا کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نماز کے اندر کچھ بشارتیں ملتی ہیں۔بعض کو نماز کے اندر لذت، حلاوت۔بعض کو رقت اور گریہ جاری ہو جاتا ہے۔اگر ان مذکورہ باتوں میں سے نمازی کو کچھ بھی محسوس اور معلوم نہ ہو تو جانے کہ نماز صحیح اور درست ادا نہ ہوئی اور درجہ قبولیت کو نہیں پہنچی۔پس نمازی کو چاہیے کہ نماز کو صحیح اور درست کر کے پڑھے اور اپنی نیّت کو خالص کرے اور نماز میں دِل کو اللہ کی طرف لگائے اور اسی طرح حضور دِل سے نماز ادا کرے۔ (عرفان حصہ دوئم صفحہ 339--338)۔

خواص کی نماز کا واقعہ جو تذکرۃ الاولیاء میں تحریر ہے:

ایک مرتبہ جنید بغدادی نے فرمایا کہ جب میں اس حقیقت سے آگاہ ہوا کہ کلام جو قلب سے ہو تو میں نے تیس سال کی نمازوں کا اعادہ کیا اس کے بعد تیس سال تک یہ التزام کیا کہ جس وقت بھی نماز کے اندر دُنیا کا خیال آجاتا تو دوبارہ نماز ادا کرتا اور اگر آخرت کا تصور آجاتا تو سجدہ سہو کرتا۔(تذکرۃ الاولیاء، مناقب حضرت جنید بغدادی صفحہ 193)

ایسے ہی درجات والوں کے لئے روشناس میں تحریر ہے کہ ہر درجہ کے مطابق ذکر (دِل کی حاضری) کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

خواص کی نماز کے بعد سید المرسلین ﷺ کی نماز کا واقعہ تحریر کیا جاتا ہے جو کہ اعلحضرت فاضل بریلوی کے ملفوظات حصہ اول میں تحریر ہے: امام ترمذیؒ نے دس صحابہؓ سے روایت کیا کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم صبح کو نماز فجر کے لئے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کی تشریف آوری ہوئی حتیٰ کدنا ان نری الشمس یعنی قریب تھا کہ آفتاب طلوع ہو کر آئے۔اتنے میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے اور نماز پڑھائی پھر صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو کیوں دیر ہوئی؟

سب نے عرض کی اللہ و رسولہٗ اعلم یعنی اللہ ورسول بہتر جانتے ہیں۔

ارشاد فرمایا لقانی ربی فی احسن صورۃ میرا رب سب سے اچھی تجلی میں میرے پاس تشریف لایا یعنی میں ایک دوسری نماز میں مشغول تھا اس نماز میں عبد درگاہِ معبود میں حاضر ہوتا ہے اور وہاں خود ہی معبود کی عبد پر تجلی ہوئی۔

(ملفوظات اعلحضرت حصہ اول صفحہ 29)

اصل عبارت:

جو لوگ اس علم سے بے بہرہ یا ذکر جہری کے مخالف ہیں وہ کبھی بھی ظاہری عبادت یا ظاہری علم سے قلب تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ ظاہری علم کی انتہا بحث ومناظرہ ہے جو مقامِ شر بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ بہتر 72 فرقے اسی ظاہری علم کی پیداوار ہیں اور باطنی علم یعنی قلبی عبادت کی انتہا محفلِ حضوری ﷺ ہے جو ہر قسم کے شر سے محفوظ اور منزہ ہے۔(صفحہ نمبر 4)

اعتراض:

علم کی توہین کرتے ہوئے کہتا ہے، علمِ ظاہر کی انتہا بحث ومباحثہ ہے جو مقامِ شر بھی ہوسکتا ہے۔کیونکہ 72 فرقے اسی ظاہری علم کی پیداوار ہیں۔

جواب/ تشریح:

اصل عبارت میں علم ظاہر اور علم باطن کی تعریف اور اس کے نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے کہ علم ظاہر کی انتہا بحث ومباحثہ ہے

جس کی تشریح کرتے ہوئے فاضل بریلویؒ فرماتے ہیں:

عرض: علم ظاہری میں وہ کون سا علم ہے؟

ارشاد: وہ علم اصول وحدیث اور باقی یہ سب منطق وفلسفہ تو فضول ہے (پھر فرمایا) استدلال کا دارومدار دو باتوں کی طرف لے جاتا ہے یا حیرت یا ضلالت۔(ملفوظات اعلحضرت حصہ چہارم صفحہ 389)

ظاہری علوم کے جو استدلال ضلالت کی طرف لے گئے ان کے بہتر (72) فرقے ہو گئے۔اس حدیث کو مولانا امجد علیؒ نے بہارِ شریعت حصہ اول میں نقل فرمایا ہے:حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:ستفترق اُمتی و سبعین فرقة کلھم فی النار الا واحدة یہ امت بہتر فرقے ہو جائیگی ایک فرقہ جنتی ہوگا باقی سب جہنمی۔صحابہؓ نے عرض کی من ھم یا رسول الله ناجی وہ ناجی فرقہ کون ہے یارسول اللہ؟ فرمایا ما انا علیه و اصحابی ''وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں''۔

(بہار شریعت حصہ اول صفحہ 56)

اور جن کے استدلال اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ کی محبت کی طرف لے گئے اور ان لوگوں میں حضور پاک ﷺ کی محبت کا اضافہ ہوا اور ظاہر و باطن دونوں درست ہو گئے وہی لوگ نجات پانے والے ہیں اب علم کے اقسام جن کو سلطان باھوؒ نے اپنی کتاب عین الفقر میں بھی تحریر کیا ہے:

علم کی بھی دو قسمیں ہیں۔علمِ رحمانی اور علم شیطانی۔علم رحمانی ترک دُنیا اور اطاعت لازم ہے اور علم شیطانی سے حب دُنیا اور حرص وحسد اور بدعت وضلالت حاصل ہوتی ہے۔اور طالب مولیٰ کے معنی،یعنی وہ اہل ہدایت کے دِل کا ہمیشہ صدقِ دِل سے طواف کرتا رہتا ہے۔جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، جیسے کہ سرتاج الانبیاء اور اصفیاء خاتم المرسلین صاحب السر والشریعت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔اور طالبِ مولیٰ مذّکر ہے اور والذین اوتو العلم درجات اور لوگوں کو علم دیا ان کے بڑے درجے ہیں کہ انکی یہی شان ہے۔علم وہی ہے کہ باعمل ہو،نہ کہ محض بارِ خر(گدھے کا بوجھ)ہو۔(عین الفقر صفحہ 82)

نیز سلطان صاحبؒ اپنی کتاب نور الھدیٰ میں علم کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

علم دو قسم کا ہے۔ایک علم ظاہر رسم رسوم زبانی دوئم علم باطن حی و قیوم،بے تحریر رقم مرقوم،تصدیق القلب راحت بکش روحانی،فیض فضل الحیاء، جب علم باطنی تصور اسم ذات سے کھل جاتا ہے تو عالم ظاہر زبانی علم باطنی یعنی عین العلم عیانی خود بخود آجاتا ہے۔(نور الھدیٰ صفحہ 154)

روشناس میں ''ظاہری علم کی انتہا بحث ومباحثہ اور مناظرہ ہے جو مقام شر بھی ہوسکتا ہے) کا مطلب یہ ہے کہ ساری زندگی بحث ومباحثہ میں گزار دے، اللہ اور اس کے حبیب پاک ﷺ کی محبت سے دِل خالی ہی رہے تو ایسا بحث ومباحثہ شر ہی شر ہے

اور ایسی عبادت جس سے حضور پاک صاحب لولاک ﷺ کی محبت والفت پیدا نہ ہو عبادت بھی رائیگاں ہے، ایسے بحث و مباحثہ کی طرف اشارہ فاضل بریلویؒ نے ملفوظات حصہ چہارم میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''امام فخر الدین رازی کی نزع کا جب وقت آیا تو، اس وقت شیطان پوری جان توڑ کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح اس کا ایمان سلب ہو جائے اگر اس وقت پھر گیا تو پھر کبھی نہ لوٹے گا، اس نے ان سے پوچھا کہ تم نے عمر بھر مناظروں بحثوں میں گزار دی، خدا کو بھی پہچانا؟ آپؒ نے فرمایا بے شک خدا ایک ہے۔ اُس نے کہا اس پر کیا دلیل؟ آپؒ نے ایک دلیل قائم فرمائی۔ وہ خبیث، معلم الملکوت رہ چکا تھا اُس نے توڑ دی۔ اُنہوں نے دوسری دلیل قائم کی اس نے وہ بھی توڑ دی یہاں تک کہ 360 دلیلیں حضرتؒ نے قائم کیں۔ اُس نے وہ بھی توڑ دیں اب یہ سخت پریشانی اور نہایت مایوس۔ آپ کے پیر حضرت نجم الدین کبریٰ کہیں دور دراز مقام پر وضو فرما رہے تھے وہاں سے آپ نے آواز دی کہہ کیوں نہیں دیتا کہ میں نے خدا کو بے دلیل مانا''۔ (ملفوظات اعلحضرت حصہ چہارم صفحہ 389)

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
گر دلیلے خواہی از دے رومتاب

اس لئے حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے **انما الاعمال بالخواتیم عملون** کا دارومدار خاتمے پر ہے۔ اگر خاتمہ بالا یمان ہو تو اعمال مقبول اگر خدانخواستہ خاتمہ بالاعمان نہ ہوا تو اعمال بھی مردود، علم باطن کی تشریح کرتے ہوئے فاضل بریلویؒ ملفوظات حصہ اول میں فرماتے ہیں:

عرض: ادنیٰ درجہ علم باطن کیا ہے؟

ارشاد: حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار سفر کیا اور وہ علم لایا جسے خواص و عام سب نے قبول کیا، دوبارہ سفر کیا اور وہ علم لایا جو خواص نے قبول کیا اور عوام نے نہ مانا، سہ بارہ سفر کیا اور وہ علم لایا جو خواص وعوام کی سمجھ میں نہ آیا۔ یہاں سفر سے مراد سیر اقدام نہیں ہے بلکہ سیر قلب ہے۔ ان کے علوم کی حالت تو یہ ہے اور ادنیٰ درجہ ان سے اعتقاد، ان پر اعتماد وتسلیم وارشاد جو سمجھ میں آئے فبھا ورنہ **کل من عند ربنا و ما یذکر الااولو لالباب** ۔حضرت شیخ محمد اکبر (ابن عربیؒ) اور اکابرفن نے فرمایا ہے کہ ادنیٰ درجہ علمِ باطن کا یہ ہے کہ اس کے عالموں کی تصدیق کرے کہ اگر نہیں جانتا ہوگا تو تصدیق نہیں کرے گا۔

حدیث شریف میں فرمایا ہے: **اغد عالما او متعلماً او مستمعاً او محبا ولاتکن الخامس فتھلک**.

صبح کر اس عالم میں کہ تو خود عالم ہے یا علم سیکھتا ہے یا عالم کی باتیں سنتا ہے یا ادنیٰ درجہ یہ کہ عالم سے محبت رکھتا ہے اور پانچواں نہ ہو کہ ہلاک ہو جائیگا۔ (ملفوظات حصہ اول صفحہ 10)

سورہ کہف کے واقعہ سے حضرت موسیٰؑ وحضرت خضر کی ملاقات میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے حدیث نقل کی ہے کہ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا کہ ایک علم اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا عطا فرمایا ہے جو آپ نہیں جانتے اور ایک علم آپ کو ایسا عطا فرمایا ہے جو میں نہیں جانتا، مفسرین محدثین کہتے ہیں کہ جو علم حضرت خضرؑ نے اپنے لئے خاص فرمایا وہ علم باطن و مکاشفہ ہے اور اہل کمال کے لئے باعثِ فضل ہے۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو نماز وغیرہ اعمال کی بناء پر فضیلت نہیں بلکہ ان کی فضیلت اس چیز سے ہے جو ان کے سینے میں ہے یعنی علم باطن و علم اسرار کیونکہ جو افعال صادر ہوں گے وہ حکمت سے ہونگے اگر چہ بظاہر خلاف معلوم ہوں۔ (ترجمہ اعلحضرت، حاشیہ قرآن مولانا نعیم الدین مراد آبادی)

علم کی اقسام بیان کرتے ہوئے سلطان صاحب فرماتے ہیں کہ علم دو قسم کا ہے ایک علم ظاہر زبانی کتابی دوم ربانی اور وہبی۔ پہلا علم ظاہر علماء سے بطور درس تدریس کتابوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن علم باطنی بلا واسطہ وہبی اور فضلی طور پر اللہ تعالیٰ سے براہِ راست حاصل ہوتا ہے جس کا ذکر مندرجہ بالا عبارت میں کیا گیا ہے۔ ان ہی علوم کی اقسام جن کی فاضل بریلویؒ اور سلطان باھوؒ نے تشریح فرمائی ہے۔ حضرت ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہ العالی نے بھی مختصر تعریف کتاب روشناس میں بیان کی ہے کہ باطنی علم کی انتہا یعنی قلبی عبادت محفلِ حضوری ﷺ ہے جو کہ ہر قسم کے شر سے محفوظ اور منزّہ ہے یہی وجہ ہے کہ بحث و مباحثہ کی بناء پر ہی مسلمان فرقہ بازی کا شکار ہوئے ہیں اور بحث و مناظرہ نے مسلمانون میں تفرقے پیدا کئے۔

اصل عبارت: ذرا سابقہ خیالات کی طرف توجہ دیجئے کہ زیادہ تر اسم اللہ کا مغز کسی کامل کے ذریعے ہی عطا ہوتا ہے، بعض کو اویسی طور پر بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ دونوں طرح حاصل کرنے کا طریقہ پیش خدمت ہے۔ بہتر ہے کہ سب سے پہلے کسی کامل کو تلاش کرے یا اگر کہیں مرید ہے تو اس سے اسم ذات کا قلبی ذکر مانگے، کاملِ ذات ایک ہی نظر سے، کاملِ ممات زیادہ سے تین دِن اور کاملِ حیات سات دِن تک قلب کا منہ کھول کر ذاکر قلبی بنا دیتے ہیں۔ اگر کوئی مُرشد سات دِن سے زیادہ ٹال مٹول سے کام لے تو بہتر ہے کہ اس سے جدا ہو جائے اور اپنی عمر عزیز برباد نہ کرے۔ یا مُرشد ناقص ہے یا اس کی اپنی زمین نا قابلِ کاشت ہے یا اس کا نصیبہ کہیں اور ہے۔ (روشناس صفحہ 6)

اعتراض: پیر و مُرشد ہونے کے لئے عجیب وغریب شرط قائم کی ہے کہ اگر زیادہ سے زیادہ سات دِن میں ذاکر قلبی نہ بنا دے تو وہ مُرشد ناقص ہے، اور اس کی صحبت سے اپنی عمر عزیز برباد کرنا ہے۔

جواب / تشریح: روشناس میں پیر و مُرشد کے لئے عجیب و غریب شرط نہیں ہے بلکہ یہی شرائط نور الھدیٰ اور عرفان حصہ اول میں تحریر کی گئی ہے۔ سب سے پہلے کامل اور ناقص مُرشد کی شناخت تحریر کی جاتی ہے۔

نمبر 1۔ طالب کو چاہیے کہ پیر اور مُرشد کو دُنیا کے لین دین میں دیکھے اگر وہ دُنیا کے لین دین میں حریص، طامع اور دُنیا کو

فراہم کرنے والا جامع ہے تو اسے فوراً طلاق دے۔

نمبر2۔ رسمی یا خانہ زاد پیر نہ ہو بلکہ کسی کامل کی خدمت میں ریاضتیں اور مجاہدے کر کے باطنی مقامات طے کئے ہوں اور سلوک کی جملہ منازل اور مراتب سے واقف اور آگاہ ہو دیگر صرف تصوف کی کتابیں پڑھنے یا ظاہری فقہ منطق معنی کے علوم حاصل کرنے یا بزرگوں کے گھر پیدا ہونے یا رسمی طور پر کسی دکاندار پیر سے خلافت لینے سے ہرگز انسان پیر و مُرشد نہیں بن سکتا اور نہ ہی ایسے رسمی رواجی پیروں سے کبھی ہدایت اور فیض حاصل ہوسکتا ہے، یہ خود خالی اور عاری ہوتے ہیں، دوسروں کو کیا خاک دیں گے۔آج کل دُنیا میں ناقص پیروں نے وہ اودھم مچا رکھا ہے کہ خدا کی پناہ اللہ تعالیٰ ان پیروں کو ہدایت کرے اور مریدوں کو عقل اور تمیز عطا کرے۔

خدا کے خاص بندے لوگوں کو محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور ان کے فائدے کی خاطر تلقین اور ارشاد کرتے ہیں، غرض مُرشد کامل طالبوں کا تزکیہ نفس، تصفیہ قلب، تجلیہ روح اور تخلیہ سر محض اللہ کے لئے کرتے ہیں ان کی غرض اور مراد یہ ہوا کرتی ہے کہ کسی طرح اللہ کا بندہ بن جائے اور ہدایت پا کر اللہ تعالیٰ سے واصل ہوجائے۔(عرفان حصہ اول صفحہ 349)۔

سلطان العارفین سلطان باھوؒ اپنی کتاب نورالھدیٰ میں کامل کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

1۔کامل حیات:

وہ جو اپنی حیات میں طالبوں کی اپنی نظر اور توجہ سے باطنی تربیت کرتا ہے اور تعلیم اور تلقین سے بہرہ ور کرتا ہے لیکن جب وہ فوت ہو کر دُنیا سے رخصت ہوجاتا ہے اس کا سلسلہ اپنے مُریدوں اور طالبوں سے منقطع ہوجاتا ہے۔

2۔مُرشد کامل ممات

وہ ہے کہ دُنیا میں گمنام اور پوشیدہ رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قرب اور مشاہدے اور وصل سے ایک دم کے لئے علیحدہ اور جدا ہوجانا برداشت نہیں کرتے ایسے عارف کامل ممات جب دُنیا سے گزر جاتے ہیں اور ان کے ذمے چونکہ اپنی دولت باطنی کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس لئے وہ قبر سے عالم برزخ میں طالب مریدوں کو توجہ اور نظر سے فیض پہنچاتے رہتے ہیں اور خود ہر طرح سے محفوظ رہتے ہیں۔ایسے کاملوں کو زندگی میں کوئی نہیں جانتا لیکن موت کے بعد ان کی قبریں زندہ ہوجایا کرتی ہیں اور طالبوں کے مسموم قلوب کے لئے تریاقِ اعظم ثابت ہوتی ہیں۔

3۔کامل ذات

کاملِ ذات وہ ہوتا ہے جس کے لئے موت اور حیات برابر ہوتی ہے۔اس کے فیض اور برکت کو نہ زمان زائل کرسکتا ہے اور نہ اس کی نظر اور توجہ میں مکان حائل ہوسکتا ہے۔ماضی اور مستقبل کے لئے حال کا حکم رکھتے ہیں اور بُعد و قرب و مکان اس

کے لئے برابر ہوتا ہے۔کامل ذات کا فیض ابدالاباد تک جاری رہتا ہے اور دِن بدن ترقی کرتا ہے۔ایسے کامل دُنیا میں عنقا مثال ہیں اور سارے جہاں میں خال خال ہیں۔(اقتباسات از کتاب نور الھدیٰ صفحہ 191-189)

نیز سلطان باھُوؒ اسی کتاب میں مرشد کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونے کا کونسا علم اور طریقہ ہے وہ محض مشاہدہ ذات کا نوری حضوری علم ہے جو اس مادی سوچ سے بالاتر ہے۔یہ معرفت کا علم محض اللہ تعالیٰ سے بے واسطہ وہ طالب حاصل کرتا ہے جو ہمیں بھائی اور فرزند بلکہ جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔یقین بھی تصورِ اسمِ ذات سے حاصل ہوتا ہے۔انسان کے وجود میں اللہ تعالیٰ اس طرح پوشیدہ ہے جس طرح پستے کے اندر مغز،مرشد کامل اعلیٰ ایک دم میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں طالب کو پہنچا دیتا ہے اور مشرف دیدار بنا دیتا ہے کیا عالم حیات اور کیا عالم ممات کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ سے جدا نہیں ہوتا۔

مُرشد اوسط ایک شبانہ روز میں طالب کو اللہ تعالیٰ سے ملا دیتا ہے اور مُرشد ادنیٰ ایک ہفتے کے اندر طالب کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچا دیتا ہے۔فقر، ہدایت ،معرفت کا یہ باطنی راستہ محض قصہ خوانی اور افسانہ دانی قیل و قال کا نہیں بلکہ حضرت ایزد لازوال حضوری اور مشاہدے سے واقف احوال ہونے کا ہے کہ یہ فیض فضل محض روزازل کا ہے۔(نور الھدیٰ صفحہ 40-39)

جو تعریف مُرشد کی روشناس میں بیان کی گئی ہے اور طریقہ اسمِ ذات کے حاصل کرنے کا بیان کیا گیا ہے یہی تشریح اور تعریف سلطان العارفینؒ نے کتاب نور الھدیٰ میں بیان کی ہے۔فرماتے ہیں: ایک خام ناقص مبتدی طالب کیوں کر ایک دم یا آٹھ پہر یا زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ کے اندر واصل باللہ ہو جاتا ہے۔یہ وقت محض مُرشد کی توجہ بننے یعنی طالب کے وجود کی زمین (یعنی قلب) میں تخم اسم اللہ ڈالنے کا ہے(یعنی ذاکر قلبی بنانے کا ہے) لیکن کھیتی اپنے وقت پر تیار ہوتی ہے۔یہ وقت مقررہ کم از کم ایک سال یا بارہ سال کے عرصہ میں بطن باطن سے باہر آ جاتا ہے اور پھر اپنے وقت پر بالغ ہو کر مقام تلقین و ارشاد پر پہنچتا ہے۔مُرشد کی توجہ آخر تک طالب کے وجود میں اپنا کام کرتی ہے اور اسے بے قرار اور برسرِ پیکار رکھتی ہے یہاں تک کہ واصل پرورد گار بنا دیتی ہے اور جس مُرشد کی بیعت اور تلقین وارشاد سے طالب کے وجود میں کوئی نیک مادہ بیدار نہ ہو اور طالب اپنے وجود میں کوئی عمدہ تغیر و تبدل محسوس نہ کرے تو سمجھے کہ مُرشد ناقص ہے۔اس سے جدا ہو جائے اور اپنی عمر گرانمایہ اور وقت عزیز ضائع نہ کرے۔(نور الھدیٰ صفحہ 39)

مُرشد کے لئے یہ عجیب و غریب شرط نہیں جو روشناس میں تحریر کی گئی ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے،کامل ذات ایک ہی نظر میں واصل کرتا ہے۔ارے یہ وہ ہیں عبدالقادر محبوب سبحانیؒ کہ نابینا چور کو ابدال کرتے ہیں۔حضور غوث اعظم نے کافروں کو بعد ہدایت اوتاد کر دیا۔انسان کی طلب سچی ہونی چاہیے، سچی طلب کے بارے میں فاضل بریلویؒ فرماتے ہیں کہ اگر انسان کی طلب سچی ہو تو

www.asiinternationals.com

کوئی ایسی وجہ نہیں ہے کہ اس کو کامل نہ ملے یا اپنا مقصدو مطلب حاصل نہ کرے۔ایک صاحب پیر کامل میں تلاش میں تھے بہت کوشش کی مگر پیر نہ ملا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین جاھدو ا فینا لنھد ینھم یہ جولوگ کہتے ہیں ہم نے اسقدر مجاہدات کئے ہیں کچھ نہ ہوا جھوٹے ہیں۔تاکید کے ساتھ فرمایا جاتا ہے نھد ینھم ۔حقیقتاً یہ مجاہدہ ہی نہیں کرتے۔خیر ان کی طلب صادق تھی جب کوئی نہ ملاتو مجبور ہوکر ایک رات عرض کی اے رب! تیری عزت کی قسم آج صبح کی نماز سے پہلے جو ملے گا اس سے بیعت کر لوں گا۔صبح کی نماز پڑھنے جا رہے تھے کہ سب سے پہے راہ میں ایک چور ملا، چوری کر کے آرہا تھا۔انہوں نے ہاتھ پکڑ لیا کہ حضرت بیعت کیجئے۔وہ حیران ہوا۔بہت انکار کیا مگر نہ مانے آخر اس نے مجبور کر کہہ دیا کہ حضرت میں چور ہوں یہ دیکھئے چوری کا مال میرے پاس موجود ہے آپ نے فرمایا میرا تو میرے رب سے عہد ہے کہ آج صبح کی نماز سے پہلے جو ملے گا بیعت کرلوں گا۔ اتنے میں حضرت سیدنا خضر علیہ السلام تشریف لائے اور اُس چور کو مراتب دیئے،تمام مقامات فوراً طے کرائے، ولی کیا اور اس سے بیعت لی (اور پھر فرمایا) طلب سچی کبھی خالی نہیں جاتی۔(ملفوظاتِ اعلحضر ت حصہ چہارم صفحہ 367)

اور طلب کے بارے میں اصّح التواریخ میں تحریر ہے کہ جس نے دُنیا طلب کی اس سے عقبٰی چھوٹ جاتا ہے اور جس نے عقبٰی طلب کی اس سے مولیٰ چھوٹ جاتا ہے اور جس نے طلب مولیٰ کی اس کے لئے دُنیا و آخرت دونوں حاصل ہوتی ہیں اور صدق کی کمی سے خطا کی کثرت ہوتی ہے۔(اصّح التواریخ صفحہ 402)

جو عبارت روشناس میں تحریر ہے اس ہی طرح کی عبارت نورالھدیٰ میں موجود ہے یہ عبارت اپنی طرف سے نہیں لکھی گئی بلکہ کاملین کی پیروی کرتے ہوئے اور ذاتی تجربہ کی بنیاد پر لکھی گئی ہے اور ہزاروں لوگوں کے دِل اللہ اللہ میں لگ چکے ہیں اور اصل مُرشد کی نشاندہی کی گئی ہے اور اس طرح کے مُرشد چاروں طریقت کے سلسلوں میں موجود ہیں اور رہیں گے جیسا کہ خواجہ بہاؤالدین نقشبندی آپ کو نقشبند اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ لوگوں کے دِلوں کے پر لفظ اللہ نقش کر دیتے تھے۔اسی طرح دوسرے سلسلے والے پہلے کچھ عرصہ عبادت و ریاضت کراتے ہیں پھر اس کے بعد اسم ذات اللہ کے ذکر کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔سب ہی صحیح ہے۔روشناس کی عبارت میں بھی کسی کو غلط نہیں کہا گیا بلکہ اسم ذات اللہ کے حاصل کرنے کا طریقہ اور کامل مُرشد کی تعریف کی گئی ہے۔معترضین کی طلب ہی نہیں ہے۔صرف اعتراض کرنا ہے۔اگر طلب سچی ہوتی تو ضرور اپنے مشائخ سے اس چیز کو حاصل کرتے۔

اصل عبارت: (لطیفہ نفس)

لطیفہ نفس ساتواں اور سب سے ادنیٰ لطیفہ ہے۔اس میں تاثیر آب، ہوا، خاک اور آگ کی ناسوتی، اس کی شکل جنات جیسی ہے اور اس کی غذا بھی ان ہی طرح ناری ہے اور یہ سوتے میں انسان کے جسم سے نکل کر جسے خواب کہتے ہیں اپنے ہم جنسوں

کی محافل میں گھومتا رہتا ہے۔ یہ انسان کی ناف میں مقیم رہتا ہے اور پیشانی تک اس کا تسلط ہوتا ہے۔ جب آدم کا جُسہ (بت) بنایا گیا تو شیطان نے نفرت سے تھوکا جو ناف پر پڑا اور اس کی تھوک سے ایک جرثومہ (نفس) اندر داخل ہوا جو بعد میں شیطان کا آلہ کار بنا اور آدمؑ اس نفس کی شرارت سے اپنی وراثت یعنی بہشت سے نکال کر عالم ناسوت میں جو جنات کا عالم تھا پھینکے گئے۔

اعتراض:

حضرت آدمؑ کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آدمؑ اس نفس کی شرارت سے اپنی وراثت یعنی بہشت سے نکال کر عالم ناسوت جو جنات کا عالم تھا پھینکے گئے (معاذ اللہ)۔

جواب / تشریح:

سب سے پہلے جنات کے بارے میں تشریح کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے پہلے جنات کو پیدا فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے **والجآن خلقنه من نارالسموم** (پارہ 14 رکوع 3) اور جنات کو اس (یعنی آدمؑ) سے پہلے بنایا بے دھویں کی آگ سے (اعلحضرت) جو اپنی حرارت و لطافت سے مساموں میں نفوذ کر جاتی ہے۔ دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے **خلق الجان من مارج من نار** (پارہ 27 رکوع 11) اور جن کو پیدا فرمایا آگ کے لَو کے سے (اعلحضرت) یعنی بے دھویں والے شعلے سے اور تیسری جگہ (سورۃ ص پارہ 23) اسی مضمون کو شیطان کے اقرار کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ **خلقتنی من نار** تو نے مجھے آگ سے بنایا۔ اور سورۃ کہف میں ابلیس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے **کان من الجن** ابلیس قوم جن سے تھا۔

جنات کی تخلیق کے بعد حضرت آدمؑ کی تخلیق ہوئی۔ قرآن پاک میں انبیائے کرام کے متعلق سب سے پہلے حضرت آدمؑ کا ذکر آیا ہے۔ سورۃ البقرہ کے علاوہ مزید پانچ سورتوں (حجر، کہف، ص، اعراف، طٰہٰ) میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی آیت کے لحاظ سے جنت حضرت آدمؑ کی وراثت ہے اس لئے کہ تخلیق کے بعد حکمِ باری تعالیٰ ہوا:

وقلنایا آدم اسکن انت و زوجک الجنة (پارہ 1 رکوع 4) "اور ہم نے فرمایا اے آدم تو اور تیری بی بی اس جنت میں رہو" (اعلحضرت)۔ اس لحاظ سے بہشت حضرت آدم اور بنی آدم کی وراثت بنی۔

اب نفس کے بارے میں تحریر کیا جاتا ہے کہ کس طرح حضرت آدمؑ کے وجود میں نفس کی بنیاد پڑی۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے فقیر نور محمد صاحبؒ عرفان حصہ اول میں تحریر فرماتے ہیں، شیطان جن حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنے سے لعنتی ہوا تو اس نے آدم اور اس کی اولاد کی دشمنی اور گمراہی کا بیڑا اُٹھایا۔ **قال فبعزتک لا غوینهم اجمعین**۔ شیطان نے کہا کہ تیری عزت اور جلال کی قسم اس کی ساری نسل کو گمراہ کروں گا۔ پس پہلے پہل آدم کو بہشت میں خودی کے شجرۃ

الخلد کی طرف راغب کیا جس سے ان میں خودی اور نفسانیت پیدا ہوئی اور اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ بہشت کے اندر پہلے پہل جب آدم کا بت تیار ہونے لگا تو فرشتوں نے سوال کیا: اے اللہ یہ تو کیا چیز بنا رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ میں ایک خلیفہ بنا رہا ہوں تو شیطان کو رشک اور حسد کی آگ لگ گئی کہ خلافت کا حقدار میں ہوں یہ کہاں سے خلیفہ بنایا جا رہا ہے۔ چنانچہ آدم کے قریب آ کر شیطان اسے دیکھنے لگا جب اس کی عجیب و غریب خلقت اور اس کی آئندہ شان و عظمت کو معلوم کیا تو جاتے وقت حسد اور نفسانیت کی وجہ سے ان کی لاش پر تھوک دیا۔ اور خودی اور نفسانیت کی وہ شیطانی تھوک آدم کے مقام ناف پر جا پڑی جس سے آدم کے وجود میں نفس کی بنیاد پڑی اور یہاں سے آدم اور اس کی نسل کے ساتھ شیطان کا ایک رشتہ اور رابطہ قائم ہو گیا اور گمراہی کا بیج اور تخم وجودِ آدم میں بویا گیا۔ (عرفان حصہ اول صفحہ 249) اسی مضمون کو فقیر صاحب نے عرفان حصہ دوئم میں کچھ اضافے کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

شیطان جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے راندہ درگاہ ہوا تو تمام بنی آدم کو گمراہ کر کے اپنے ہمراہ جہنم لے جانے کا بیڑا اُٹھایا، تب ابلیس نے لشکر سمیت آدم کے بت کا جائزہ لیا اور اس کے جسم کے اندر داخل ہو کر سر سے لے کر پاؤں تک ہر جگہ کو جانچ کر باہر آیا تو لشکر نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے آدم کو کیسا پایا؟ تو شیطان نے جواب دیا کہ اس خلیفے اور اس کی نسل کو گمراہ کرنا میرے لئے بہت آسان ہے اس کے جسم کے اندر متضاد عناصر آگ، مٹی، پانی اور ہوا ہیں۔ یہ متلون مزاج کبھی کسی بات پر قائم اور برقرار نہیں رہے گا اور اس کا تمام ڈھانچہ بالکل بے کار اور بے حکمت معلوم ہوتا ہے۔ صرف اس کے اندر گاؤدم گنبد کی شکل کا دِل بائیں طرف لٹک رہا ہے اس کے اندر داخل ہونے کا راستہ مجھے نہیں مل سکا ہے۔ اس میں شاید اللہ تعالیٰ نے خلافت اور حکمت کا خزانہ رکھا ہے لیکن خیر میں بھی اس میں اپنی جگہ بناتا ہوں، تب اس نے نفسانیت کے سبب اس پر تھوکا اور اس کے حسد اور کبر کی تھوک آدمؑ کی ناف کی جگہ پر جا پڑی جس سے آدمؑ کے جسم میں نفس کا تخم اور بیج پڑا اور آدمؑ کے وجود میں شیطان کا پہلا مورچہ اور کمین گاہ بنی۔ شیطان نے اپنے لشکر سے کہا کہ میں اس تھوک اور نفس کے سبب آدمؑ اور اس کی نسل کے اندر آجایا کرونگا اور اسے گمراہ کروں گا اور اپنی تھوک کی تاثیر اس کے اندر حسد، کبر اور انانیت کی آگ بھڑکاؤں گا کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف دعوت اور ہدایت کے لئے انبیاء اور اولیاء مبعوث فرمائے گا تو میں انہیں اسی نفس کی انانیت اور حسد اور کبر کے سبب ان سے بدظن کر کے ان کی پیروی رہنمائی اور رہبری سے انہیں روک لوں گا اور صراطِ مستقیم کا دروازہ ان پر بند اور مسدود کر دونگا۔ (عرفان حصہ دوم صفحہ 114)

یہی نفس کا فطرتی بخل، حسد اور کینہ ہی تو ہے جو پہلے پہل خود ابلیس کے لئے آدمؑ کو سجدہ تعظیم و تکریم کرنے سے رکاوٹ بنا اور پھر اس تھوک کے آدمؑ اور اس کی اولاد میں بطور ورثہ چلی آئی اور انبیاء اور اولیاء کی ہر قسم کی تعظیم و تکریم کے لئے رکاوٹ بنا۔

یہی روایت نزہت المجالس میں نقل کی گئی ہے کہ جب شیطان نے حضرت آدم کے ناف کے مقام پر تھوکا تو حضرت

جبرائیلؑ نے بحکم خداوندی اُس مٹی سے کتا بنا دیا۔ کتا ناپاک اس لئے ہے کہ تھوک شیطان کی ہے اور آدمی کا وفادار اور مانوس اس لئے ہے کہ مٹی حضرت آدمؑ کی اور رات کو جاگتا اس لئے ہے ہاتھ جبرائیل کے لگے ہیں۔ یہ ظاہراً کتا ہے اور نفس باطنی کتا ہے۔

اعلحضرت فاضل بریلویؒ نفس اور روح کی تعریف کرتے ہوئے (ملفوظات میں) فرماتے ہیں:

عرض: حضور نفس اور روح میں فرق اعتباری معلوم ہوتا ہے۔

ارشاد: اصل میں تین چیزیں علیحدہ علیحدہ رہیں نفس، روح، قلب۔ روح بمنزلہ بادشاہ کے ہے، نفس اور قلب اس کے وزیر ہیں۔ نفس اس کو ہمیشہ شر کی طرف لے جاتا ہے اور قلب جب تک صاف ہے خیر کی طرف بلاتا ہے اور معاذ اللہ کثرتِ معاصی اور خصوصاً بدعات سے اندھا کر دیا جاتا ہے اب اس میں حق کے دیکھنے سمجھنے غور کرنے کی قابلیت نہیں رہتی مگر ابھی حق سننے کی استعداد باقی رہتی ہے اور پھر معاذ اللہ اندھا کر دیا جاتا ہے۔ اب وہ نہ حق سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے، بالکل چوپٹ ہو کر رہ جاتا ہے (پھر فرمایا) قلب حقیقتاً اس مضغہ گوشت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک لطیفہ غیبیہ ہے جس کا مرکز یہ مضغہ گوشت ہے سینے کے بائیں جانب اور نفس کا مرکز زیر ناف ہے اس واسطے شافعیہ سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں کہ نفس سے جو وساوس اُٹھیں وہ قلب تک نہ پہنچنے پائیں اور حنفیہ زیر ناف باندھتے ہیں کہ اس پر ہاتھ سختی سے باندھے جائیں تاکہ وساوس نہ پیدا ہوں۔

(ملفوظات اعلحضرت حصہ سوئم صفحہ 311)

نفس کے مقام کے بعد اس کی اقسام کے بیان کے بعد وہ اسباب تحریر کئے جائیں گے جن کی وجہ سے حضرت آدمؑ زمین پر اُتارے گئے۔

اقسامِ نفس:

1۔ نفسِ امارہ: و ما ابری نفسی ان النفس لامارہ بالسوء (پارہ 13 رکوع 1)

"اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔" (اعلحضرت)

2۔ نفسِ لوامہ: لا اقسم بیوم القیامۃ ولا اقسم بالنفس الوامۃ

"روزِ قیامت کی قسم یاد فرماتا ہوں اور اُس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے۔ (اعلحضرت)

ترجمہ نمبر 2: میں قیامت کے دِن کی قسم کھاتا ہوں اور نفس لوامہ یعنی گناہوں پر ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں

(عرفان حصہ دوم صفحہ 110)

و نفس وما سوھا و فالھمھا فجور و تقوٰھا قد افلح من زکھا

"قسم اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دِل میں ڈالی بے شک مراد کو

پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا(یعنی نفس کو پاک کیا)'' حاشیہ مرادآبادی(اعلحضرت)

ترجمہ نمبر2: پس میں قسم کھاتا ہوں نفس ملہمہ یعنی الہام پانے والے کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا اور اسکی اصلاح کرلی۔ (عرفان حصہ دوم صفحہ 110)

یا ایھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ (پارہ30رکوع14)

''اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو، یوں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔'' (اعلحضرت)

ترجمہ نمبر2:اے نفس مطمئنہ مائل اور متوجہ ہوجا اپنے رب کی طرف ایسی حالت میں کہ اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو۔

(عرفان حصہ دوئم صفحہ 110)

قرآن پاک سے بھی ثابت ہوا کہ انسان کو گناہوں کی طرف اور اللہ سے دور کرنے کا ذریعہ یہ نفس ہی تو ہے۔اگر عبادت و ریاضت سے سدھر جائے، یعنی مطمئنہ ہوجائے تو انسان خلیفۃ اللہ ہوجاتا ہے،نفس کے بارے میں فاضل بریلویؒ فرماتے ہیں: جب نفس کمزور ہوجائے گا روح اور قلب قوی ہوجائے گا کھانا نہ کھایئے آٹھ دِن کامل بیٹھے رہیے کچھ اثر نہ ہوگا۔

(ملفوظاتِ اعلحضرت حصہ چہارم صفحہ نمبر366)

حضرت آدمؑ کا جنت سے عالم ناسوت(یعنی زمین) پر آنا اس کے اسباب بیان کرنے سے قبل قضاء قدر یعنی تقدیر کی تشریح کی جاتی ہے جو کہ قصص الانبیاء میں تحریر کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کو کیونکہ انسان کا امتحان مطلوب تھا کہ کون الست بربکم کے وعدے پر قائم رہتا ہے اور کون اس سے انحراف کرتا ہے۔

تشریح اس طرح سے ہے کہ ایک آواز آئی اے گندم تو آدم پاس جا اور ایک طرف سے آواز آئی اے آدم صبر کر اور ایک طرف سے صدا آئی اے ابلیس تو حوا کو للچا اور خواہش دِلا۔پس قضا نے کہا الٰہی اس کا سبب ہے حکم ہوا اس میں کچھ بھید ہے۔اس باغ سے باغِ دُنیا میں انہیں بھیجوں گا تو قدرت میری ظاہر ہو اور مرتبہ زیادہ ہو۔اور کہا گیا اے نمرود تو ابراھیم کو آگ میں ڈال دے اور اے آتش تو مت جلا،اے ابلیس تو تلقین کر پھر قضا نے عرض کی حکم ہوا کہ مجھے اس میں کچھ سرّ(راز) ہے کہ آتش کو ریحان کے بدل کردوں تا کہ خلق میں میرا دوست پیدا ہو اور کہا گیا اے مومنو!تم معصیت سے باز رہو اور اے شیطان تو ان کو جلوہ دے اور کہا اے دُنیا تو دِل میں بندوں کے شیریں رہ اور اے بندو تم دُنیا سے دور رہو تا کہ جفا کو ساتھ وفا کے بدل کروں کہ رحمت اور مغفرت میری زیادہ ہو انصاف کے دِن۔ (قصص الانبیاء صفحہ 22)

اب وہ اسباب مختصراً بیان کئے جاتے ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں:

1۔ **فازلھما الشیطن عنہا فاخر جھما مما کانا فیہ** (پارہ1رکوع6)

''تو شیطان نے جنت سے انہیں لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا۔''(اعلحضرت)

2۔ فوسوس لهما الشيطن (پارہ8رکوع9)

''پھر شیطان نے ان کے جی میں وسوسہ ڈالا''۔(اعلحضرت) [نوٹ:اس رکوع میں پورا واقعہ مذکور ہے]

3۔ یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنة (پارہ8رکوع10)

''اے اولادِ آدم! خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا''۔(اعلحضرت)

آیت نمبر 1 میں لغزش کی نسبت، آیت نمبر 2 میں وسوسہ کی نسبت، آیت نمبر 3۔ میں فتنہ کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔

اب اس لغزش کی حکمت تحریر کی جاتی ہے جو کہ مولانا امجد علیؒ نے بہارِ شریعت میں نقل کی ہے۔حکمت اس لغزش کی یہ ہے کہ ایک لغزش انبیاء، دیکھئے اگر یہ لغزش نہ ہوتی تو جنت سے نہ اُترتے اور دُنیا آباد نہ ہوتی نہ کتابیں اترتیں نہ رسول آتے نہ جہاد ہوتے لاکھوں کروڑوں مثُوبات کے دروازے بند رہتے ان سب کا فتح باب ایک لغزش آدمؑ کا نتیجہ وثمرہ طیبہ ہے۔بالجملہ انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کی لغزشیں من وتو کس شمار میں ہیں۔صدیقین کے حسنات سے افضل واعلیٰ ہیں۔

(حسنات الابرار سیئات المقربین:بہارِ شریعت حصہ اول صفحہ 23)

شیطان کی تخلیق نار سے اور نار بھی ایسی جو اپنی حرارت ولطافت سے مساموں میں نفوذ کر جاتی ہے جس کی تصدیق سرورِ کائنات ﷺ نے اس طرح فرمائی:

ان الشیطان یجری من آدم مجری الدم

''بے شک شیطان ابنِ آدم کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے''۔

اس پوری تشریح سے واضح ہوا کہ شیطان اس نفس ہی کے ذریعے سے جس کی بنیاد اس تھوک سے حضرت آدمؑ کے وجود میں پڑ چکی تھی پہلے لغزش دی پھر وسوسہ پیدا کیا اور آخر میں فتنہ میں مبتلا کر کے زمین (یعنی عالمِ ناسوت) پر لے آیا جو کہ جنات کا عالم تھا۔

راقم کے نزدیک روشناس کی عبارت آدم کے بارے میں ''پھینکے گئے'' کے الفاظ درج ہیں اگر اس کی جگہ اُتارے گئے کے الفاظ تحریر کر دیئے جائیں تو یہ قرآن پاک کی پیروی میں زیادہ موضوع رہیں گے۔روشناس کی عبارت کی وضاحت کر دی گئی ہے اور سائل کی عبارت کا جواب تحریر کر دیا ہے۔روشناس کی عبارت میں بھی حضرت آدمؑ کے زمین پر آنے کے اسباب تحریر کیئے گئے ہیں جو کہ قرآن پاک کی پیروی ہے کوئی گستاخی یا بے ادبی وغیرہ نہیں کی گئی۔

نوٹ:روشناس میں عبارت (حضرت آدم سے لے کر یہی کلمہ حضرت آدم اور ان کی اولاد کے لئے وسیلہ معافی تک) اس پوری

عبارت سے حذف کر دیا گیا ہے۔ چونکہ اس عبارت پر اعتراض کیا گیا ہے لہٰذا ہم نے جواب تحریر کر دیا ہے۔

نوٹ: روشناس کی مندرجہ ذیل عبارت کو بعض علماء کے اصرار پر حذف کر دیا گیا ہے اب چونکہ حق بات پر اعتراض برائے اعتراض ہے اس لئے جواب لکھا جا رہا ہے۔

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم

نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

جب آپ یہاں پہنچے تو یہاں کی آب وہوا نے جس میں نار تھی آپ کے نفس کو تقویت پہنچانی شروع کی۔ نتیجہ یہ کہ آپ کو ایک دِن عرش وکرسی کا کشف ہوا جس پہ **لا الہ الاالله محمد الرسول الله** لکھا ہوا تھا۔ کشف کا مطلب تھا کہ آدمؑ اس کلمہ کو مقدس و افضل جان کر اس کو وسیلہ بنائیں تاکہ نفس کی اصلاح اور معافی ہو۔ آپ نے جب اسم محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا دیکھا تو خیال ہوا کہ یہ محمد ﷺ کون ہیں۔ جواب آیا کہ یہ تمہاری اولاد میں سے ہونگے۔ نفس نے اکسایا کہ تیری اولاد میں ہو کر تجھ سے بڑھ جائیں گے یہ بے انصافی ہے اس خیال کے بعد آپ کو دوبارہ سزا دی گئی۔ آپ کو وہی کلمہ یاد تھا اور آپ اسی کا ذکر کرتے رہے، اس کے زیادہ کرنے سے نفس کمزور اور قلب طاقتور ہونا شروع ہو گیا۔ جب نفس مطمئنہ ہوا تو پھر آپ کو وہی عرش و کرسی کا دوبارہ کشف ہوا۔ چونکہ اب نفس کی شرارت ختم ہو چکی تھی اس لئے آپ کے منہ سے نکلا کہ شکر ہے کہ میری اولاد میں سے کوئی ہوگا جس اس مرتبے پر فائز ہوگا۔ تب آپ نے اسی نام کا واسطہ دے کر معافی مانگی جو قبول ہوئی پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس عظیم ہستی کا دیدار کرا دیا جائے حکم ہوا اپنے ہاتھ کے ناخن میں دیکھو! جب آپ نے اپنے انگوٹھے کے ناخن میں وہ نور دیکھا تو خوشی سے ان ناخنوں کو چوم لیا اسی لئے ہم اسم محمد ﷺ کو چوم لیتے ہیں کہ یہ سنت آدمؑ ہے۔

روشناس کی عبارت کے ساتھ ملتی جلتی عبارت فقیر نور محمد صاحب نے عرفان حصہ اول میں بھی درج کی ہے۔

ایک دِن بہشت کے اندر آدمؑ پر اللہ تعالیٰ کا عرش معلّٰی منکشف ہو گیا، اس کشف میں آدم کو ساق عرش پر کلمہ طیبہ **لا الہ الا الله محمد الرسول الله** لکھا نظر آیا۔ چنانچہ آدمؑ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے اللہ تیرے نام کے ساتھ یہ دوسرا نام محمد ﷺ کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ دوسرا نام محمد ﷺ نبی آخر زماں کا ہے جو تیری نسل میں سے ہوگا اور میرا حبیب ہوگا اور پیغمبروں اور ان کی اُمتوں کا پیشوا اور سردار اور قیامت کے روز سب کا شفیع ہوگا۔ اس موقع پر شیطان نے آدمؑ کے وجود کے اندر اپنی اس نفسانیت اور غیرت کی آگ کو بھڑکایا (سابق اوراق میں نفس کی تشریح اور تفصیل لکھی گئی ہے) اور آدم کے اندر اپنا خیال اور وسوسہ ڈالا کہ عجیب انصاف ہے کہ بیٹے کو باپ کا شفیع بنایا جا رہا ہے، غرض یہاں سے شیطانی حسد، خودی، غیرت اور انانیت کے اربعہ عناصر وجودِ آدم میں نمودار ہوئے اور ان کے خمیر سے آدمؑ کے اندر نفس کا وجود قائم ہوا جس میں ابلیس ملعون نے اپنا مسکن اور

مورچہ اور کمین گاہ بنائی۔اسی لیے آدمؑ کوخودی اور شجرۃ الخلد کا فرضی سبز باغ دکھا کر شجرِ ممنوعہ کا پھل کھلایا اور بہشتِ بریں سے باہر نکال لایا۔چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا امتحان مطلوب تھا اس لئے شیطان کو تا روزِ قیامت مہلت دے دی اور بڑا بھاری لشکرِ جرار جنود یعنی شیطانی لشکر اس کے ہمراہ کر دیا۔خودی وانانیت اور حسد کے یہی مہلک جراثیم نسل در نسل آدمؑ کی اولاد میں چلے آئے اور کفار نابکار مشرک اور بے دین حاسد کور چشم قیامت تک اسی موروثی حسد اور انانیت کی وجہ سے پیغمبروں اور اولیاء اللہ سے بدظن و بدگمان رہتے ہیں۔چنانچہ آدم سال ہا سال اپنی خطا پر دُنیا میں روتے رہے۔کہتے ہیں کہ ایک دِن پھر جب آپ کے اچھے دِن آئے تو آپ پر اللہ تعالیٰ کا عرش دوبارہ منکشف ہوا اور ساقِ عرش پر کلمہ طیبہ کو مرقوم دیکھ کر آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرمان یاد آ گیا اور اپنی خطا کی معافی کا ایک زریں موقع مل گیا۔اس وقت آدم کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے قہر اور جلال کی آتش خوف اور یادِ خطا پر ندامت اور گریہ زاری کے سبب خودی اور انانیت کے جراثیم کچھ تو جل گئے اور کچھ دِل سے آنکھوں کی راہ آنسوؤں کی شکل میں بہہ گئے تھے۔اس وقت آدمؑ نے خودی وانانیت کی آتشیں چادر گلے سے اتار کر عجز و نیاز کا خاکی جامہ پہنا اور زمین نیاز پر سر رکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض پرداز ہوئے: اے اللہ اس حبیب ﷺ کے صدقے جس کا نام مبارک تو نے اپنے اسم مبارک کے ساتھ عرش معلیٰ کی ساق پر مرقوم کیا ہے میری خطا معاف کر دے۔چنانچہ آدمؑ کی خودی کی پرکھ کے لئے حضرت محمد ﷺ کا وسیلہ اس طرح محک ثابت ہوا جس طرح تمام ملائکہ کا آدمؑ کے آگے سجود اور تعظیم و نیاز کے وسیلے سے امتحان ہوا اور جملہ اولیاء اللہ کی خودی کا امتحان حضرت سید الاولیاء قطب ربانی غوث الصمدانی سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے فرمان حق ترجمان ''قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله '' کے آگے سر نیاز و تسلیم جھکانے سے کیا گیا کیونکہ خودی اور خدا ہرگز یکجا نہیں ہوسکتے۔

(عرفان حصہ اول صفحہ 249-251)

ماسبق کے عبارت کے ہم معنی حضرت آدمؑ کے واقعہ (پارہ 1 رکوع 4) کی تفسیر فرماتے ہوئے مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے لکھا ہے بحوالہ خازن، طبرانی وحاکم وابونعیم وبیہقی نے حضرت علی سے مرفوء روایت کی کہ جب حضرت آدمؑ پر عتاب نازل ہوا تو آپ فکر توبہ میں حیران تھے اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ وقت پیدائش میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہے لا الہ الا اللہ محمد الرسول الله میں سمجھا تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں وہ رتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد مصطفیٰ ﷺ کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نامِ اقدس کے ساتھ لکھا ہے۔یہ عرض کیا اسئلک بحق محمد ان تغفرلی ابن منذر کی روایت میں یہ کلمے ہیں۔اللھم انی اسئلک بجاہِ محمد عبدک و کرامته علیک و ان تغفرلی خطیئتی یعنی یارب میں تجھ سے تیرے بندہ خاص محمد مصطفیٰ ﷺ کے جاہ ومرتبہ کے طفیل میں اور اس کرامت کے صدقے میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے مغفرت چاہتا ہوں۔یہ دعا کرنی تھی کہ حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمائی۔ (تفسیر مولانا نعیم الدین مرادآبادی پارہ 1 رکوع 4)

ماسبق تحریر کے ساتھ ملتی جلتی تحریر قصص الانبیاء میں تحریر کی گئی ہے۔حضرت آدمؑ کو جب سرا ندیپ میں ڈالا گیا تو وہ اپنے گناہ سے چالیس برس تک روتے رہے۔اور دوسری روایت میں ہے کہ تین سو برس روتے رہے۔آپ کی ملاقات حضرت حوّا سے میدان عرفات میں ہوئی اور جبل رحمت پر توبہ قبول ہوئی، خدا تعالیٰ نے حجاب کو ان کی آنکھوں سے اُٹھایا تب انہوں نے عرش کی طرف نظر کی جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا **فتلقّی آدم من ربه کلمٰت** اور ساق عرش پر یہ کلمہ دیکھا **لا اله الا الله محمد الرسول الله** تب آدم علیہ السلام نے کہا کہ یارب برکت سے اس کلمے کی جو تیرے نام کے ساتھ ہے گناہ بخش دے اور توبہ ہماری قبول کر۔اس حال جبرائیل ان کے پاس آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ نے تجھ پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تو اس بہشت میں اس نام کو شفیع لاتا تو ہرگز میں تجھ کو دُنیا میں نہ بھیجتا۔

(قصص الانبیاء صفحہ 26)

پارہ اول میں حضرت آدمؑ کے واقعہ کی مزید تشریح فرماتے ہوئے مولانا نعم الدین مراد آبادی نے حاشیہ ترجمہ اعلحضرت پر تحریر فرمایا ہے:

حضرت آدمؑ نے زمین پر آنے کے بعد تین سو سال تک حیاء سے آسمان کی طرف سر نہ اُٹھایا اگرچہ حضرت داؤد علیہ السلام کثیر البکا تھے مگر آپ کے آنسو تمام زمین والوں کے آنسوؤں سے زیادہ ہیں مگر حضرت آدم اس قدر روئے کہ آپؑ کے آنسو حضرت داؤد اور تمام اہلِ زمین کے آنسوؤں کے مجموعہ سے بڑھ گئے۔(پارہ 4 تفسیر نعیم الدین مرا آبادی)

نتیجہ اس پوری تشریح کا اس طرح ہے کہ روشناس میں حضرت آدمؑ کا واقعہ جس طرح بیان کیا گیا ہے مختلف الفاظ کے ساتھ عرفان حصہ اول میں بھی نقل کیا گیا ہے اور دیگر الفاظ کے ساتھ تفسیر نعیم الدین مراد آبادی اور قصص الانبیاء میں بھی نقل کیا گیا ہے۔گزشتہ واقعہ کو بیان کرنا قرآن پاک کی پیروی ہوئی نہ کہ بہتان جیسا کہ اعتراض میں لکھا گیا ہے۔

ان چار عبارتوں میں جو اصل فرق ہے وہ یہ کہ روشناس کی عبارت میں زمین پر کلمہ طیبہ کا پہلا کشف ہوا اور عرفان اور تفسیر مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی عبارت میں ہے کہ جنت میں آپ (یعنی آدمؑ) نے کشف کی حالت میں کلمہ طیبہ دیکھا، مطابقت ان عبارات کی اس طرح ہے کہ روشناس میں عبارت میں زمین کے لفظ کی جگہ جنت کا لفظ تحریر کر دیا جائے۔بہر حال تینوں قول نقل کر دیئے ہیں اور اپنی رائے بھی لکھ دی ہے۔دوسرا فرق یہ ہے کہ روشناس کی عبارت میں حضرت آدمؑ اسم پاک محمد ﷺ کا ذکر کرتے رہے۔عرفان، تفسیر مراد آبادی اور قصص الانبیاء میں عبارت میں ہے کہ آپ اسم پاک محمد ﷺ کا ذکر بھی کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور روتے بھی رہے کیونکہ یہی اسم پاک ہی تو گناہ کی معافی کا ذریعہ اور وسیلہ ہے جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا قیامت تک اور قیامت کے بعد بھی معافی کا وسیلہ رہے گا۔

اصل عبارت:

لا الٰہ الا اللہ سے نبوت چلی یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ کے آنے تک نفی اثبات اور صفاتی اسماء کے ذکر تھے اور محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی، یعنی اس کے آگے اور کچھ نہ تھا۔ تبھی تو قرآن مجید کی سورۂ احزاب میں ہے **ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین** اب جن لوگوں نے آپ ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی مانا یا اس کلمہ میں ردوبدل کیا وہ سخت گمراہی میں پڑ گئے۔ اور جھوٹے نبی کو مان کر اصل کی شفاعت سے محروم ہوگئے۔ جیسا کہ کچھ مسلمان صنآن اور کچھ مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں۔

اعتراض:

صفحہ نمبر 10 پر قادیانیوں اور مرزائیوں کو ''مسلمان'' کہا ہے۔ البتہ جھوٹے نبی کو مان کر اصلی نبی ﷺ کی شفاعت سے محروم کہا ہے۔

جواب/ تشریح:

اصل عبارت کی تشریح اس طرح ہے کہ کچھ مسلمان ایسے ہیں جو کہ شیخ صنعآن کو اور کچھ مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں۔ یعنی مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں۔ یعنی مرزا غلام احمد کو اور شیخ صنعآن کو نبی ماننے والے بھی اپنے آپ کو مسلمان ہی کہلاتے ہیں بعد میں علماء کرام کے اصرار پر مسلمان کے لفظ کو حذف کر کے اس کی انسان لکھ دیا گیا ہے تا کہ شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے حالانکہ مومن اور مسلمان میں فرق ہے۔ یعنی ہر مومن مسلمان ہے اور ہر مسلمان مومن نہیں ہوسکتا۔ زبان سے کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان بنتا ہے اور دِل سے کلمہ طیبہ پڑھ کر مومن بنتا ہے جس کے بارے میں قرآن پاک کی سورۃ الحجرات میں ہے:

قالت الاعراب امنّا قل لم تومنو اولکن قولو ااسلمنا ولما یدخل الا یمان فی قلوبھم (الحجرات رکوع 14)

''گنوار بولے ہم ایمان لائے۔ تم فرماؤ ایمان تو نہ لائے ہاں تو کہو کہ ہم مطیع ہوئے اور ابھی ایمان تمہارے دِلوں میں کہاں داخل ہوا ہے'' (ترجمہ اعلحضرت)

مسئلہ:

محض زبانی اقرار جس کیساتھ قلبی تصدیق نہ ہو معتبر نہیں۔ زبانی اقرار سے آدمی مومن نہیں ہوتا۔ (تفسیر مولانا نعیم الدین مرادآبادی)

زبان نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دِل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں (علامہ اقبالؒ)

جھوٹے نبی مرزا غلام احمد کو ماننے والے کیونکہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں جو کہ نہیں کہلانا چاہیے۔ عقل اور نقل دونوں

کے لحاظ سے اب جبکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں تو اسکا کیا علاج ہے۔اس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔

روشناس میں بھی اسی نظریے کے تحت لکھا گیا ہے۔نہ کہ ان کو مسلمان کہا جا رہا ہے اور نہ ہی یہ لوگ مسلمان ہیں۔

مزید تشریح اس کی سید محمد ہاشم فاضل شمسی نے اپنی کتاب ''عالمگیر نبوت'' میں کی ہے۔اسی کتاب کے اقتباسات تحریر کئے جاتے ہیں:

''قال رسول الله ﷺ وانه سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلهم یزعم انه نبی الله انا خاتم النبیین لا نبی بعدی''

(ابوداؤد،ترمذی)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں تیس(30) سخت جھوٹے ظاہر ہونگے ان میں ہر ایک اپنے آپ کو اللہ کا نبی قرار دے گا اور حال یہ ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔''

اس حدیث میں دو باتیں غور کرنے کی ہیں اول اُمت کا لفظ۔اُمت کی دو قسمیں ہیں ایک ''اُمت دعوت'' یعنی وہ قوم وامت جس کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا خواہ وہ قوم نبی کی دعوت قبول کرے یا قبول نہ کرے بلکہ کافر رہے۔تمام نوع انسانی تا قیامت محمد ﷺ کی اُمت دعوت میں شامل ہیں اسی لیے ہر انسان سے اس کے مرنے کے بعد اللہ کی ربوبیت، محمد ﷺ کی رسالت اور دین اسلام کے بارے میں قبر(برزخ) میں سوال ہوتا ہے۔محمد ﷺ کے بعد اگر کوئی اور نبی و رسول ہوتا تو قبر میں اس نئے نبی اور اس کی نبوت و رسالت کے متعلق سوال ہوتا۔چونکہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں ہے اس لئے قیامت تک ہر انسان سے محمد ﷺ ہی کی نبوت و رسالت کے متعلق سوال ہوتا رہے گا۔اُمت کی دوسری قسم ''اُمت اجابت'' ہے۔یعنی وہ لوگ جو نبی پر ایمان لائے تمام انسان تا قیامت محمد ﷺ کی اُمت دعوت ہیں اور ان میں مسلمان اُمت اجابت ہیں۔

حدیث میں اُمت کا لفظ عام ہے۔دونوں کو شامل ہے۔پہلی قسم کی اُمت میں مسیلمہ کذاب ہے کہ وہ محمد ﷺ کا منکر تھا اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا مدعی ہوا۔دوسری قسم میں محمد علی باب بہاء اللہ اور مرزا ہیں جو پہلے محمد ﷺ کی اُمت اجابت میں تھے اور آنحضرت ﷺ ایمان رکھتے تھے پھر اپنی اپنی نبوت کے جھوٹے دعویدار ہوئے۔(عالمگیر نبوت صفحہ 114)

نبوت ایمان کا رکن ہے۔سچے نبی کے اقرار میں تذبذب وشک کفر ہے اور جھوٹے نبی کے انکار میں پس پیش بھی کفر ہے۔(عالمگیر نبوت صفحہ 54)

جو لوگ مومن رہنا چاہتے ہیں اور مومن مرنا چاہتے ہیں ان کے لئے **لا الٰه الا الله محمد رسول الله** کے کلمے کے سوا اور کلمہ کی گنجائش نہیں ہے۔بہائی یا مرزائی دونوں غیر مسلم اور مرتد ہیں۔(صفحہ 127)

یہ تھا روشناس کتاب کی عبارت میں لفظ ''مسلمان'' پر اعتراض کا جس کا جواب تحریر کر دیا گیا ہے۔سمجھنے والے کے لئے کافی ہے۔

اصل عبارت:

ایک دِن اللہ تعالیٰ کو خیال آیا کہ میں خود کو دیکھوں سامنے جو عکس پڑا تو ایک روح بن گئی، اللہ اس پر عاشق اور وہ اللہ پر عاشق ہوگئی، یہ واقعہ آدم علیہ السلام کا بت بنانے سے 70 ہزار سال پہلے کا ہے۔تبھی آپ ﷺ فرمایا تھا کہ میں دُنیا میں آنے سے پہلے بھی نبی تھا۔اور اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام کا وجود نہیں تھا۔

اعتراض:(صفحہ 20 پر)

اللہ تعالیٰ کے لئے خیال ثابت کر کے اس کے علم کی نفی کی ہے۔''ایک دِن'' اللہ کے دِل میں خیال آیا کہ میں خود کو دیکھوں سامنے جو ''عکس'' پڑا تو ایک روح بن گئی اللہ اس پر عاشق اور وہ اللہ پر عشق ہوگئی (معاذ اللہ)۔

جواب/ تشریح:

روشناس کی عبارت میں روح کے بارے میں تشریح کی گئی ہے یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس کو پیدا فرمایا وہ حضور پاک صاحبِ لولاک ﷺ کی نورانی روح مبارک تھی۔جب اس معشوقِ حقیقی نے جو بہت سے نام ونشان حجابوں میں پردہ نشین اور بے انتہا عدم نما پردوں میں حجلہ گزیں تھا۔ارادہ کیا کہ کوئی ایسا آئینہ ہو کہ جس میں میں اپنے حسن و جمال قدرت کے گونا گوں جلوے اور کمال ادا و ناز و عظمت کے بوقلموں کے کرشمے دیکھے تو اس وقت یہ نورانی خیال بشکل آئینہ روبرو ہوا۔

آئینہ ذات حق رکھا روبرو — تو اسی شکل کا دوسرا ہو گیا
عکس ذات تھا آئینہ میں — نام اس عکس کا مصطفےٰ ہو گیا
ایسی صورت نہ پیدا ہوئی ہے نہ ہو — آپ پر حسن کا خاتمہ ہو گیا
ہی اس مشعل سے سب مشعلیں روشن — جن سے روشن زمین تا آسماں ہو گیا

تفصیل اس کی اربابِ خبر اور اصحاب معرفت یوں بیان کرتے ہیں کہ جل شانہُ کا سب سے پہلا جلوہ نور محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں۔ یعنی خلاق مطلق نے تمام کائنات اور جملہ موجودات سے ایک کروڑ چھ لاکھ ستر ہزار برز پہلے نور محمد ﷺ پیدا کیا۔حضرت ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ اس نور سے اللہ پاک نے فرمایا: ''کونی محمداً فصارت عموداً من نور الی اخرۃ'' یعنی اس سے فرمایا محمد ﷺ ہو جا۔بس وہ ایک نور کا ستون ہو گیا اور بلند ہوا، حجابِ عظمت تک پہنچ گیا۔اسی مضمون کو اعلحضرت فاضل بریلویؒ اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ ہر بندہ مومن کا یہ عقیدہ راسخ ہے کہ تمام روحوں کا خالق اللہ عز و جل ہے۔ازل سے ابد تک کی

تمام روحوں میں سب سے افضل سب سے اعلیٰ اور سب سے بزرگ روح یعنی روحِ اعظم محمد الرسول اللہ ﷺ ہیں۔

اوروں کی روح ہو کتنی ہی لطیف　　　ان کے اجسام کی کب ثانی ہے

پاؤں جس خاک پہ رکھ دیں　　　وہ بھی روح پاک ہے نورانی ہے

(انوارِ رضا صفحہ 244)

اعتراض میں لفظ دِل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ جبکہ اصل عبارت میں لفظ دِل نہیں ہے۔ اصل عبارت ''ایک دِن اللہ کو خیال آیا'' ہے۔

اعتراض ''دِن'' کے لفظ پر بھی ہونا چاہیے تھا کیونکہ دِن کا وجود بہت بعد کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین، آسمان اور حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں آنے سے اور دیگر اشیاء کے وجود میں آنے سے اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا ظہور ہوا۔

جب ہم الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی صفت بیان کرتے ہیں حالانکہ الفاظ اس کے لے وضع ہی نہیں کئے گئے۔ الفاظ تو مخلوق نے مخلوق کے لئے بنائے ہیں۔ اس مسئلہ کو اعلحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ نے ملفوظات میں بڑے اچھے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ انھی کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔ عبارت سے قبل خیال کا لفظی معنی صورت جو ذہن میں آئے۔ آئینہ میں جو صورت نظر آئے۔ (مفتاح اللغات)

عرض: تنزیہہ مع تشبیہ کا کیا مطلب ہے؟

ارشاد: ''لیس کمثلہ شیئی . انہُ ھو السمیع البصیر ''۔ یہ تنزیہہ بلاتشبیہہ ہے۔ تشبیہہ محض تو یہ ہوئی کہ وہ ہماری ہی طرح ایک جسم الاجسام ہے اس کے کان، آنکھ، ہماری ہی طرح گوشت پوست سے مرکب ہیں۔ وہ ان ہی سے دیکھتا، سنتا ہے۔ اور یہ کفر ہے اور تنزیہہ محض یہ کہ دیکھنے سننے میں اس کو بندوں سے مشابہت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے بھی انکار کر دیا جائے کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ خدا دیکھتا ہے، سنتا ہے۔ یہ کچھ اور صفات ہیں جن کو دیکھنے سننے سے تعبیر کیا گیا ہے۔۔ اور یہ گمراہی ہے۔ اصل عقیدہ یہ ہے کہ ''لیس کمثلِ شیئی '' یہ تنزیہہ ہوئی کہ اصل کی مثل کوئی شئے نہیں اور ''انہُ ھو السمیع البصیر '' تشبیہ ہوئی اور جب سننے دیکھنے کو بیان کیا کہ اس کا دیکھنا آنکھ کا، سننا کان کا محتاج نہیں وہ بے آلات کے سنتا ہے یہ نفی تشبیہ ہے۔ کہ بندوں جو وہم مشابہت ہوتا اس کو مٹا دیا تو ماحصل وہی نکلا۔ تنزیہہ مع تشبیہہ بلاتشبیہہ (پھر فرمایا) تنزیہہ مع تشبیہ بلاتشبیہ سے تو قرآن عظیم پُر ہے۔ علم وکلام یقیناً اس کی صفات ہیں۔ یہ تشبیہہ ہوئی۔ مگر اس کا علم، دِل و دماغ و عقل کا اور کلام زبان کا محتاج نہیں یہ نفی تشبیہہ اور وہی '' لیس کمثلہ شیئی '' ہر ایک کے ساتھ مل کر پھر وہی حاصل ہوا۔ تنزیہہ تشبیہ بلاتشبیہ۔ حیات اسکی صفت ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ وہ زندہ ہے تو اس میں اسی طرح روح ہے ہماری طرح اس کی رگ و پے میں خون دوڑتا پھرتا ہے۔

جیسا مشبّہ ملاعنہ کہتے ہیں تو یہ کفر ہے۔ اگر اس سے انکار کر دیا جائے جیسے ملاحدہ باطنیہ بکا کرتے ہی وہ حی لا حی۔ نور"لا نور" ہے تو کھلی ضلالت ہے۔ حق یہ ہے کہ حیّ ہے خود زندہ ہے۔ اور تمام کی حیات اس سے وابستہ ہے۔ مگر نہ روح سے کہ روح خود اس کی مخلوق ہے نہ وہ گوشت پوست و خون استخوان سے مرکب ہے نہ وہ جسم ہے۔ جسم و جسمانیت و زمان و جہت سے پاک ہے یہ وہی تنزیہہ تشبیہہ ہے۔ (پھر فرمایا) اصل یہ ہے کہ الفاظ اس کے لئے وضع ہی نہیں کیے گئے۔ الفاظ تو مخلوق نے مخلوق کے لئے بنائے ہیں خدا کو عالم، قادر محی، ممیت، رازق، متکلم، مومن، مھیمن، خالق، باری، مصور وغیرہ صفات سے موصوف کرتے ہیں اور یہ سب ہیں اسم فاعل اور اسم فاعل دلالت کرتا ہے حدوث و زمانہ حال یا زمانہ مستقبل پر اور وہ حدوث و زمانہ سے پاک ہے۔" قال اللہ تعالیٰ و یبقی وجہ ربک " اس اس کے سوا صدہا صیغے قرآن پاک نے فرمائے ہیں جو ماضی یا حال یا مستقبل سے خالی نہیں اور وہ زمانوں سے منزّہ ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے" باللہ، للہ، علی اللہ، فی اللہ، من اللہ۔ اور باء آتی الصاق کے لئے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ کوئی شئے اس سے ملتصق ہو سکے۔ "ل" آتا ہے نفع کے لئے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ کسی شئے سے اس کو نفع پہنچ سکے "علیٰ" ضرر یا استعلاء کے لئے اور اس سے برتر ہے کہ کسی شئے سے اس کو ضرر پہنچ سکے اور وہ اس سے متعالی ہے کہ کوئی اس سے بلند ہو سکے "فی" آتا ہے ظرفیت کے لئے اور وہ اس سے پاک ہے کہ کسی شئے کا ظرف بن سکے "من" آتا ہے ابتداءِ غائیت کے لئے اور وہ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کا ابتدائی کنارہ یا حدِ ابتدائی بن سکے "الیٰ" آتا ہے انتہائے غائیت کے لئے اور وہ اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کا انتہائی کنارہ بن سکے۔ فی الحقیقت یہ سب افعال و اسماء و حروف اپنے معنی حقیقیہ سے معدول یہ سب وہی تنزیہہ بلا تشبیہہ ہے۔ (ملفوظات اعلحضرت حصہ چہارم صفحہ 408)

اصل عبارت میں علم اور دِل کا لفظ موجود ہی نہیں ہے جس کے بارے مس یہ اعتراض کیا گیا کہ اللہ کے علم کی نفی کی گئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی سب سے اول تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے جس کے لئے خود سرورِ کائنات ﷺ کا ارشاد ہے:

1۔ ملا علی قاری شرح شفاء شریف میں راوی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا" اوّل ما خلق اللہ نوری "

2۔ ابن حاتم وغیرہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے "کنت اول الا نبیاء خلقا آخرھم بعثاً"

3۔ مواہب لدنیہ میں سند عبد الرزاق حضرت جابرؓ سے روایت ہے" یا جابر ان اللہ خلق قبل الاشیاء نورِ نبیک من نورہ"

پہلی حدیث میں اللہ عالیٰ نے سب س پہلے نور محمد ﷺ کو پیدا فرمایا دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ میں بہ اعتبار خلق اول انبیاء ہوں اور بہ اعتبارِ بعثت کے آخر۔ تیسری حدیث میں ہے" اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے قبل تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا"۔ نتیجہ یہی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے قبل آپ ﷺ کی ذات اقدس کی نورانی روح مبارک کو

پیدا فرمایا۔روشناس میں بھی یہی لکھا گیا ہے اور جس کے سر پر **لولاک لما خلقت الافلاک** کا تاج ہو اور لواء الحمد کا جھنڈا جس کے ہاتھ میں ہو اور جس کا بولنا رب کا بولنا جس دیدار رب کا دیدار اور جو تمام انبیاء کا سردار اور جس کا مقام مقامِ محمود ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا جو مقام ومرتبہ ہے اسی کو اپنے الفاظ میں بیان وتحریر کیا گیا ہے۔سب معراج میں جب حضور اکرم نورِ مجسم ﷺ حریم خلوت گاہ قدس میں پہنچے:

"فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحی"

"پس وحی کی ہم نے اپنے خاص بندے کی طرف جو وحی کی" (پارہ 27)

اللہ تعالیٰ نے اس وحی کو مبہم رکھا۔اس اجمال سے پردہ نہیں اُٹھایا۔پس اس امر کا اظہار فرمایا کہ ہم نے اپنے عبد خاص پر وحی کی۔ معلوم ہو یہ وحی بلا واسطہ تھی اس میں کسی واسطہ کو دخل نہ تھا۔جبرائیل جیسا ملکوتیوں کا سردار بھی بیچ میں حائل نہ تھا۔بس خدا متوجہ نمائش تھا اور بصارت محمدیہ وقفِ دید،سنانے والا خدا تھا اور سننے والے محمد مصطفیٰ ﷺ۔ایسے مقام کے لئے حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ؎ میان عاشق ومعشوق رمزیست کراماً کاتبین راہم خبر نیست (جامیؒ)

ہم اپنے الفاظ میں بھی انتہائی درجے کی محبت کو عشق کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب پاک ﷺ کے ساتھ جو محبت ہے اس کو لفظ عشق سے تعبیر کیا گیا ہے۔یہ ازلی وابدی ہے۔جس ظہور حضور پاک ﷺ کا دُنیا میں تشریف لانے کے بعد ہوا۔اسی تشریح کو مختصراً روشناس میں لکھا گیا ہے کہ اللہ اُس پر عشق اور وہ اللہ پر عاشق ہوگئے۔

یہ سب الفاظ (خیال عاشق) ماسبق قاعہ کلیہ جو فاضل بریلوی نے بیان کیا ہے مثلاً اسی کے تحت آتے ہیں یعنی تنزیہہ مع تشبیہہ بلا تشبیہہ ہیں۔

اصل عبارت:

بہشت والے حور وقصور سے مجامعت کرسکیں گے،جنت کے میوہ جات کھا پی سکیں گے،لیکن ناپاک نہ ہونگے، جس طرح کچھ عرصہ آدمؑ اور حوا نے جنت میں گزارا،ان جسموں سے پہلے جو روحیں برزخ میں ہیں،ان میں زن ومرد کا کوئی امتیاز نہیں اور نہ ہی زن ومرد والی کوئی بات ہے۔(صفحہ 25)

اعتراض:

حور کے ساتھ جنتی شخص کی مجامعت وصحبت بیان کرکے اپنی جہالت فاحشہ کا یوں اظہار کیا ہے کہ" وہ بہشت والے حور وقصور سے مجامعت کرسکیں گے"۔

جواب/تشریح:

جہالت تو اعتراض کرنے والے کی ہے اس لئے کہ نہ قرآن کا پتہ نہ حدیث کا اور نہ اقوالِ اولیاء کرام اور نہ ادب سے واقفیت۔جبکہ قرآن میں ہے۔ ”حورٌ مقصوراتِ فی الخیام“۔(پارہ 27۔سورۃ الرحمٰن)

”حوریں ہیں خیمومیں پردہ نشین(اعلحضرت)یعنی لفظ حور کے ساتھ قصور کا لفظ قرآن پاک میں آیا ہے۔اور معترض کو جو غلط فہمی ہوئی ہے وہ یہ کہ ' و ' عاطفہ ہے حالانکہ اس جگہ پر یہ جو ' و ' لکھی گئی ہے عاطفہ نہیں ہے بلکہ صرف پڑھنے کے لئے ہے اس لئے کہ لفظ حور پر دو اُلٹا پیش ہیں اور جب ساکن کے اُردو کے محاورہ میں پڑھا جائے گا تو اسی طرح ہی ادا کیا جائے گا۔یعنی ایک اُلٹا پیش جو قائم مقام واؤ کے لئے ہے حذف کر دیا گیا ہے اور دوسرا اُلٹا بھی قائم مقام واؤ کے لئے ہے اس کو لکھ دیا گیا ہے۔اس لیے کہ اُردو میں الٹا پیش نہیں لکھا جاتا۔اگر واؤ عاطفہ ہوتی تو اعتراض ہوسکتا تھا اور پھر اس طرح پڑھا جاتا حورٌ و مقصورٌ حالانکہ اس طرح نہیں پڑھا جاتا بلکہ حور و قصور موصوف صفت ملا کر لکھا اور پڑھا جاتا ہے اور یہی الفاظ عرفان حصہ اول صفحہ 297 پر اسی طرح فقیر نور محمد صاحبؒ نے تحریر کئے ہیں۔مضمون تو طویل ہے صرف ایک سطر تحریر کی جاتی ہے۔یہ مضمون منکر روحانیت کے بارے میں ہے اور نعماء بہشت،حور و قصور محض طفل تسلیاں اور بھول بھلیاں تھیں۔اور عذاب دوزخ محض ایک فرضی ہوا تھا۔

اور رسالہ روحی شریف میں بھی اسی طرح کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں جو فقراء کی شان میں ہیں۔”کہ دبہ دنیائے دنی و نعیم اُخروی حور و قصور بہشت و دوزبکرشمہ نظر ندیدند“یعنی دُنیا کی لذات نفسانی اور آخرت کے نعماء روحانی یعنی حور و قصور بہشت وغیرہ کے گوشہ چشم سے کبھی نہیں دیکھا۔(مخزن الاسرار 271،رسالہ روحی شریف)

یہ لفظ اسی طرح لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔

نوٹ: چونکہ اعتراض برائے اعتراض تھا اس لئے دوسرے ایڈیشن میں علماء کے اصرار پر لفظ قصور کو حذف کر دیا گیا جو کہ نہیں کرنا چاہیے تھا جیسا کہ غور و فکر،علم و عرفاں،درس و تدریس،فضل و کرم۔ان سب الفاظ میں واؤ عاطفہ نہیں ہے اسی طرح یہ الفاظ لکھے اور پڑھے جاتے ہیں۔

اصل عبارت:

مشہد میں حضرت امام رضاؒ کے روضے کا بھی یہی حال ہوا ہر قسم کی عیاشی شروع ہوگئی اور نوجوان جوڑے تفریح کی غرض سے جاتے۔ ہندوستان میں بھی مزارات تفریح گاہ بننے شروع ہو گئے کیونکہ اس وقت تفریح کا کوئی اور سامان نہ تھا یعنی پارک، سینما،کلب اور لڑکیوں کے اسکول کالج نہ تھے وہ زیارت ے بہانے تفریح کی غرض سے مزاروں پر جاتیں پھر اکثر مزاروں پر عورتوں کے میلے لگنا شروع ہو گئے اور بہت سی لڑکیاں میلوں سے اغواء ہو جاتیں۔تب اعلحضرت نے سختی سے منع کیا تھا اور واقعی آج بھی کوئی عورت عیاشی اور تفریح کی غرض سے مزار پر جائے تو اہل مزار اس پر لعنت کرتے ہیں۔لیکن اگر دینی فیض یا روحانی

علاج کے لے جائے تو جائز ہے۔(صفحہ 28)

اعتراض:

حضرت موسیٰ ؑ کے متعلق یون زبان درازی کی ہے کہ"بیت المقدس سے دو میل دور موسیٰ کا مزار ہے یہودمرد اور عورتیں وہاں شراب نوشی کرتے حتیٰ کہ وہ مزار فحاشی کا اڈہ بن گیا جس کی وجہ سے موسیٰ ؑ کے لطائف وہ جگہ چھوڑ گئے اور مزار خالی بت خانہ رہ گیا۔

جواب/ تشریح:

اصل عبارت میں سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ کاملین کے مزارات پر غیر شرعی افعال سے وہ اپنا روحانی فیض بند کر دیتے ہیں اور غیر شرعی افعال کرنے سے صاحب مزار کو تکلیف ہوتی ہے۔ گاہ بگاہ ان کے مثالی جسم یا لطائف وہ جگہ بھی چھوڑ دیتے ہیں۔حضرت موسیٰ ؑ کے واقعہ کو فقیر نور محمد صاحب ؒ نے اپنی کتاب "عرفان حصہ دوئم" میں اسی طرح نقل کیا ہے۔جبکہ فقیر صاحب نے 1912ء میں بغداد شریف، کربلا معلیٰ اور دیگر اولیاء کرام کے مزارات پر حاضری دی ہے اور روحانی فیض حاصل کیا ہے۔ اور حالات قلمبند فرمائے ہیں۔(عرفان حصہ اول صفحہ 43)

چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔آج روئے زمین پر بعض ایسے مزارات موجود ہیں جن پر ایک زمانہ میں لوگوں کی بکثرت آمد و رفت اور باطنی فیوض اور روحانی برکات کی بڑی گرم بازاری تھی۔لیکن آج وہ مزارات مجاوروں کے اس قسم کے کرتوتوں کی وجہ سے متروک ہو کر کسمپرسی کی حالت میں پڑے ہیں۔ چنانچہ بیت المقدس سے دو میل کے فاصلے پر آج موسیٰ علیہ السلام کے مزار کی یہودیوں کے نارواملیوں کے سبب یہی حالت ہے کہ وہاں کوئی شخص مارے خوف کے رات بسر نہیں کر سکتا اور اگر بعض مزارات پر باوجود اس قسم کے نارواملیوں اور غیر شرع فعلوں کے بھی لوگوں کی آمدورفت جاری ہے تو وہ خانقائیں نہیں ہیں۔ بلکہ وہ بت خانے ہیں اور معصیت اور بدعت کے اڈے ہیں ایسی قبروں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:"**اللھم لا تجعل قبری و ثنا**" یعنی اے اللہ میری قبر کو بت خانہ نہ بنانا۔(عرفان حصہ دوئم صفحہ 216)

بزرگان دین کے مزارات پر غیر شرعی افعال کرنے سے صاحب مزار کو تکلیف اور پریشانی بھی ہوتی ہے۔اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں بھی اسی قسم کا واقعہ تحریر ہے۔

عرض: کیا یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ قبر شریف میں ننگے کھڑے ہو کر گانے والوں پر لعنت فرما رہے تھے؟

ارشاد: یہ واقعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ آپ کے مزار شریف پر مجلس سماع میں قوالی ہو رہی تھی۔

اب تو لوگوں نے بہت سے اختراع کر لئے ہیں، ناچ وغیرہ بھی کراتے ہیں حالانکہ ان درگاہوں میں مزامیر بھی نہ تھے۔حضرت سید ابراہیم امیر جی رحمۃ اللہ جو ہمارے پیران سلسلہ ہیں، باہر مجلس سماع میں تشریف فرما تھے۔ایک صاحب صالحین سے آپ کے پاس آئے اور گزارش کی مجلس میں تشریف لے چلئے۔حضرت سید ابراہیم امیر جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم جاننے والے ہو، مواجہ اقدس میں حاضر ہو۔اگر حضرت راضی ہوں میں ابھی چلتا ہوں۔انہوں نے مزار اقدس پر مراقبہ کیا، دیکھا کہ حضور قبر شریف میں پریشان خاطر ہیں اور قوالوں کی طرف اشارہ کر کے فرمارہے ہیں ''ایں بدبختاں وقت مارا پریشان کردہ اند''۔ واپس آئے اور قبل اس کے کہ عرض کریں، فرمایا آپ نے دیکھا۔ (ملفوظات اعلحضرت حصہ اول صفحہ 19)

اور اسی مضمون کی مزید تشریح فاضل بریلویؒ نے مزید فرمائی۔ملفوظات حصہ سوئم میں ہے:

عرض: بزرگانِ دین کے اعراس میں جو افعال ناجائز ہوتے ہین ان سے ان حضرات کو تکلیف ہوتی ہے؟

ارشاد:: بلاشبہ اور یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے بھی توجہ کم فرمادی ہے ورنہ جس قدر فیوض ہوتے تھے اب کہاں۔

(ملفوظات حصہ سوئم صفحہ 293)

روشناس میں عبارت میں بھی سوال کا یہی جواب تحریر کیا گیا ہے کہ مزارات پر غیر شرعی افعال کرنے سے روحانی کے فیض کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اس لئے غیر شرعی افعال سے گریز کیا جائے۔

اصل عبارت:

جب آدم علیہ السلام کا بت بنایا گیا۔ابلیس نے نفرت سے تھوکا جو مقام ناف پر گرا اور اس تھوک سے ایک جراثیم (جرثومہ) جس کی شکل خبیث جن جیسی تھی کیونکہ ابلیس بھی جنات میں سے ہے بت کے اندر گھس گیا گویا نفس شیطان کا جاسوس کہلایا اسی کے متعلق حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک شیطان جن بھی پیدا ہوتا ہے اصحاب پاکؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔فرمایا پیدا ضرور ہوا تھا مگر وہ میری صحبت سے مسلمان ہو گیا ہے۔جبکہ آدم علیہ السلام اسی نفس کی شرارت سے زمین پر پھینکے گئے تو توبہ تائب میں لگ گئے۔ابلیس نے دیکھا کہ آپ کا نفس کمزور ہو رہا ہے اس کی مدد کیلئے خناس کو آپ کے جسم میں داخل کرنا چاہا۔ایک دِن جب آدم علیہ السلام موجود نہیں تھے ابلیس ایک چھوٹا سا بچہ لیکر مائی حوا کے پاس آیا اور کہ کہ میرا بچہ امانت ہے میں واپسی پر اسے لے جاؤں گا۔اتنے میں آدم علیہ السلام آئے اور بچہ دیکھا۔ مائی حوا صاحبہ سے پوچھا سخت غصے ہوئے کہ دشمن کا بچہ کیوں بٹھایا؟ آپ نے اس بچے کو مار کر زمین میں دفنا دیا۔دوسرے دِن پھر آپ کی غیر موجودگی میں ابلیس آدھمکا اور بچے کو نہ پا کر خناس خناس کی آواز دی۔وہ زمین سے حاضر حاضر کہہ کر نکل آیا۔ابلیس اسے وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔اب کی دفعہ آدم علیہ السلام نے اس کے چار ٹکڑے کئے چاروں پہاڑوں پر دور دور پھینک دیئے۔حتیٰ کہ

ابلیس نے پھر آواز دی خناس پھر حاضر ہوگیا۔ابلیس چھوڑ کر چلا گیا۔اس دفعہ آدم علیہ السلام نے اس کو جلایا اور راکھ کو پانی میں بہا دیا۔ابلیس نے پھر آ کر آواز دی وہ پھر حاضر ہوگیا۔پھر چھوڑ کر چلا گیا اس بار آدم علیہ السلام کو سخت غصہ آیا اور کوئی تدبیر نظر نہ آئی تب آپ نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھالیا۔اب ابلیس آپ کی موجودگی میں آیا۔آواز دی تو آدم علیہ السلام کے دِل کے قریب سے ہی حاضری کا جواب آیا ابلیس نے کہا اب یہیں رہ،میرا یہی مطلب تھا۔ (کتاب مینارہ نور صفحہ نمبر 8)

اعتراض:

آدم علیہ السلام کی شدید ترین گستاخی اور اٰخیر میں ان پر ''شیطان خور'' ہونے کا الزام لگایا ہے۔

جواب/تشریح:

نفس کی تشریح کا ذکر پہلے باب میں تحریر کیا گیا ہے کہ نفس کی ابتداء کیسے ہوئی اور اس کے اسباب کس طرح وجود میں آئے۔یہ سب فیصلے قضاوقدر کے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا امتحان بھی مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمتیں بھی ہیں۔انسانی جسم کے نفس کو پاکیزہ اور سدھارنے کے طریقے بھی قرآن پاک میں بتائے گئے ہیں۔انہی الفاظ کو لکھنا یا بیان کرنا قرآن پاک کی اتباع اور احادیث وتفسیر کی پیروی ہے نہ کہ آدم علیہ السلام کی شان میں گستاخی۔اسی واقعہ کو انہی الفاظ کے ساتھ ''تذکرۃ الاولیاء مناقب وحالات'' حضرت شیخ محمد علی حکیم ترمذیؒ باب نمبر 58 صفحہ نمبر 233 پر تحریر کیا گیا ہے اور خناس کی تشریح عرفان حصہ الاول میں فقیر صاحب نے ان الفاظ کے ساتھ کی ہے کہ انسان کے وجود میں شیطان کے مختلف مورچے اور کمین گاہیں ہیں چنانچہ نفس امارہ اور خودی کا مسکن مقامِ ناف میں ہے اور دوسرا مورچہ دِل کے بائیں طرف خناس کا ہے جو کہ شیطان کا معنوی خبیث طفل لڑکا ہے چنانچہ کبروانانیت کا زہر شیطان اپنے فرزندلعین خناس کے ذریعے انسان کے دِل میں ڈالتا ہے۔خناس لعین کی بنیاد بھی من یعنی میں کی منی اور'' انا خیر منه '' خودی اور انانیت کے خبیث نطفے سے پڑی ہے۔اس کی مثالی شکل ہاتھی کی سی ہے اور مچھر کی طرح اپنی زہریلی خرطوم اور کبروانانیت کے جراثیم سے بھری ہوئی سونڈ جب انسان کے دِل میں چبھو دیتا ہے تو شیطانی کبروانانیت کا اسے ایسا سخت بخار چڑھ جاتا ہے کہ فرعون بےعون کی طرح کوس'' انا ربکم الاعلیٰ ''بجانے لگتا جاتا ہے اور اولیاء اور بزرگانِ دین انبیاء اور مرسلین کی بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔غرض یہ سفاک ازلی دشمن انسان کو کبر اور ''میں'' کی چھری سے ذبح کر دیتا ہے۔

حدیث شریف: '' جس شخص نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی اس کے منہ پر تعریف کی گویا اس نے اسے چھری کے بغیر ذبح کر ڈالا''۔ سو کبروانانیت شیطان کا ایسا کاری داؤ پیچ ہے کہ اس سے بغیر مُرشد کے وسیلے سے بچنا محال ہے اور اس مہلک مرض کے لئے یہی وسیلے والی دوا تریاق اکبر اور اکسیر اعظم ثابت ہوتی ہے۔(عرفان حصہ اول۔صفحہ 252)

اورسب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ سورۃ والناس میں خناس کا ذکر موجود ہے اور اس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ترجمہ سورۂ والناس: ”تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا خدا ہے، اس کے شر سے جو دِل میں برے خطرے ڈالے اور دُبک رہے، وہ جو لوگوں کے دِلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں جن اور آدمی“۔(ترجمہ اعلحضرت)

تشریح: مراد اس سے شیطان ہے۔ یہ اس کی عادت ہے کہ انسان جب غافل ہوتا ہے تو اس کے دِل میں وسوسے ڈالتا ہے اور جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان دُبک رہتا ہے اور ہٹ جاتا ہے۔(حاشیہ تفسیر مولانا نعیم الدین مراد آبادی)

خناس: وہ ہے جس کی عادت ہٹ جانے اور دور ہو جانے کی ہو اللہ تعالیٰ کی یاد کے وقت۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شیطان لگا ہوا ہے اوپر دِل ابن آدم کے پس جس وقت یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو، ہٹ جاتا ہے اور جس وقت غافل رہتا ہے وسوسہ ڈالتا ہے۔ روایت کیا اس کو بخاریؒ نے بطریق تعلیق کے۔

خناس: شیطان چھپ جانے ولا۔(مفتاح اللغات) ترکیب نحوی: الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس۔(القرآن)

الخناس سم موصوف، الذی اسم موصول، یوسوس فعل فاعل فی لفظ جار، صدور مضاف، الناس مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مجرور جار کے ہوئے اور مجرور جار مل کر متعلق یوسوس کے۔ یوسوس اپنے متعلق سے مل کر صلہ موصول کا ہوا۔ موصول صلہ مل کر صفت لفظ الخناس موصوف کی۔ معنی یہ ہوا کہ خناس کا وجود لوگوں کے سینے میں موجود ہے۔

نتیجہ: مینارہ نور کی عبارت میں خناس کو شیطان کا بیٹا لکھا گیا ہے اور عرفان کی عبارت میں خناس کو شیطان کا معنوی طفل خبیث لکھا گیا ہے۔ تفسیر مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ میں خناس کو شیطان لکھا گیا ہے اور دوسری تفسیر میں بھی خناس کو شیطان لکھا گیا ہے کیونکہ اس کا نام علیحدہ ہے۔ نام علیحدہ ہونے سے عقل یہی تسلیم کرتی ہے کہ خناس شیطان کے بیٹے کا نام ہے جیسا کہ مینارہ نور میں تحریر کیا گیا ہے۔ اور شیطان کی اولاد کا ذکر بھی قرآن پاک کی سورۂ کہف رکوع سات (7) میں موجود ہے:

”افتخذو نہُ و ذُریتہُ اولیاء من دونی و ھم لکم عدوُ“

”بھلا کیا اسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو اور وہ تمہارے دشمن ہیں“۔(اعلحضرت)

نوٹ: اس پوری عبارت کو بعض علماء کے اصرار پر حذف کر دیا گیا تھا جو کہ نہیں کرنا چاہیے تھا پھر بھی عبارت پر اعتراض کیا گیا ہے، لہٰذا ہم نے حق کو واضح کرنے کے جواب تحریر کر دیا ہے۔

طریقہ ذکر: ذکر جہر کے وقت دوزانو بیٹھ کر دِل پر ضربیں لگائے اگر شریعت میں ہے تو دِل پر تصور اللہ کا اور اگر طریقت میں ہے تو لفظ اللہ جمائے۔ ذکر کے دوران دُنیا و مافیہا سے خیال ہٹ کر یکسوئی پیدا کرے، تصور خیال اور ذکر سے جلد منزل مقصود کو پہنچے گا۔ اس قسم کا ذکر جہر زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ سانس پھول جاتا ہے اور سینے میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے اور حلق خشک ہو جاتا ہے اس

کے بعد ذکرِ خفی کرے جیسا کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا:

"اغمض عینک یا علی فی قلبک تسمع لا الہ الا اللہ".

"اے علی تو اپنی آنکھیں بند کر کے ذکرِ خفی کیا کر تمہیں لا الہ الا اللہ کی آواز سنائی دے گی"۔

جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے "**اقم الصلوٰۃ لذکری**" یعنی نماز قائم کر میرے ذکر کے لئے۔ جس طرح وضو کیا نماز کے لئے یعنی نہ وضو کے بغیر نماز ہوئی اور نہ ذکر کے بغیر نماز ہوئی۔

اعتراض: (صفحہ نمبر 17 پر)

قرآن وحدیث اور طریقہ سلف وصالحین سے ہٹ کر ذکر کا ایک نیا اور انوکھا تصور پیش کیا ہے۔ اور اپنے ذکر کے اس تصور کو "نماز پر فضیلت" بھی دی ہے اور نماز کو ذکر سے خارج کیا ہے اور اس سلسلے میں قرآنی آیت کے مفہوم کو بگاڑ کر اپنے باطل نظریہ پر استدلال کیا ہے۔

جواب/ تشریح:

اگر اعتراض میں سلف وصالحین کے طریقہ ذکر کے تصور کو پیش کر کے تصریح کر دی جاتی تو فی الواقعہ اعتراض سمجھ میں آسکتا تھا۔ لیکن اعتراض میں سلف وصالحین کے طریقہ ذکر کو تو پیش نہیں کیا گیا بلکہ خوامخواہ کا اعتراض لکھ دیا ہے۔

مینارہ نور کی عبارت سے ملتی جلتی عبارت "اصح التواریخ" میں بھی تحریری ہے یہی سلف وصالحین کا طریقہ ذکر ہے۔

ذکر و مراقبہ خواجگان چشت قدس سرہٗ کا اس پر اتفاق ہے کہ طالب کو ایک ذکر اور ایک فکر بس ہے۔ اور وہ ذکر کلمہ **لاالہ الا اللہ** ہے کہ کل انواع ذکر اس میں داخل ہے۔ اور مراقبہ خداوند تعالیٰ کو حاضر ناظر جاننا اور ہاتھ وغیرہ اعضاء کی حرکات اور دِل کے بھیدوں پر مطلع پانا ہے۔

آئمہ طریقت اور سادات حقیقت کے نزدیک ثابت ہوا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے خدا کی سب سے زائد نزدیک راہ کی رہنمائی فرمائیے۔

پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علی تم ہمیشہ خدا کا ذکر کرو۔ انہوں نے عرض کیا کس طرح۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آنکھیں بند کر کے مجھ سے ذکر سنو۔ پس رسول اللہ ﷺ نے بار **لا الہ الا اللہ** تین بار فرمایا اور حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے تین بار ذکر کیا اور رسول اللہ ﷺ نے سنا۔ (اصح التواریخ صفحہ نمبر 354)

حلقہ ذکر کے بارے میں عرفان حصہ دوئم میں بھی اسی طرح کی عبارت تحریر کی گئی ہے: حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ قرآن کی تلاوت سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ فرشتوں اور ملائکہ کی غذا ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "**اذا مررتم**

بریاض الجنة فارتعوا فیھا '' جب تمہارا کسی باغ جنت کی جانب گزر ہو تو اس میں چرنے لگ جایا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ وہ جنت کا باغ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا'' حلقة الذکر ''یعنی ذکر کے حلقے۔ سو، معلوم ہوا کہ مومنوں کے باطنی نفوس، قلب اور ارواح کی غذا بھی اللہ تعالٰی کے ذکر فکر کا نور ہوتا ہے۔ (عرفان حصہ دوئم۔ صفحہ 30)

اب صرف ایک حدیث شریف تحریر کی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے فرماتے تھے''لا الہ الااللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ''۔ (مشکوٰۃ شریف باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

فرض نماز کے سلام کے بعد حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام التحیات کی حالت میں دوزانوں بیٹھ کر ہی اس کلمہ کا ذکر کرتے تھے اور یہی طریقہ سلف و صالحین میں چلا آرہا ہے۔ مساجد میں حلقہ کی صورت میں بیٹھ کر یا خانقاہوں میں حلقہ کی صورت میں بیٹھ کر ذکر کریں۔ یہی طریقہ سلف صالحین کا ''مینارہ نور'' میں تحریر کیا گیا ہے۔

اعتراض میں جو عبارت لکھی گئی ہے، مینارہ نور کی اصل عبارت کو پڑھ کر ہی عام آدمی بھی اندازہ کر سکتا ہے کہ نہ تو ذکر کو نماز پر فضیلت دی ہے اور نہ ہی نماز کو ذکر سے خارج لکھا ہے۔ بلکہ اصل مطلب قرآن کا اصل اور صحیح مفہوم نماز کا پیش کیا ہے کہ نماز پڑھنے کی حالت میں بھی دِل اللہ کا ذکر کرے (یعنی حاضری دِل کی نماز) اور زبان اقرار یعنی تلاوت قرآن پاک میں اور جسم رکوع و سجود میں اور دِل زبان کے اقرار کی تصدیق کرے۔ یہ ہے قرآن پاک کی آیت'' نماز میرے ذکر کے لئے قائم کرو'' کا صحیح مفہوم جس کو مینارہ نور میں تحریر کیا گیا ہے۔ اور جس نماز میں دِل دُنیا کے خیال میں مشغول رہا وہ نماز فقہ کے لحاظ سے تو ہو گئی لیکن عنداللہ قبول نہیں ہوئی۔ اس کی تشریح پچھلے صفحات پر تحریر کی گئی ہے۔

اصل عبارت:

آجکل اکثر علماء بے سلاسل و مُرشداں لا حاصل طریق، حقیقت اور معرفت کو شریعت میں ہی سمجھتے ہیں لیکن شریعت تو سننا، سنانا بابت عالم غیب، حوریں و ملائک و بہشت و نار ہے۔ ان کے اوپر زکوٰۃ ڈھائی فیصد ہے۔ یہ دُنیا دار نفسانی ہیں جو نفس کو سدھارنے کے لئے سال میں ایک ماہ روزے رکھتے ہیں۔ ان کا علم حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ ہے جس میں اپنی عقل کو اختیار ہے اس کی انتہا بحث و مباحثہ و مناظرہ ہے جو مقام شر بھی ہو سکتا ہے لیکن طریقت والوں کا مقام دید ہے یہ اُن غیبی چیزوں کو دیکھتے ہیں اپنے نفس کو مارنے کے لئے ریاضتیں بے حد، بھوک و پیاس کی تکالیف اکثر اُٹھاتے رہتے ہیں یہ تارک الدنیا کہلاتے ہیں۔ دُنیا میں رہ کر بھی ہر نفسانی چیز سے تارک ہوتے ہیں ان کی زکوٰۃ ساڑھے ستانوے فیصد ہے اور ان کا علم صرف عشقِ حقیقی ہے جو بحث و مناظرہ و فرقہ بندی سے دور ہے۔ ان کی انتہا مجلس محمدی ﷺ ہے ان کے لئے حدیث میں ہے:

''رجعنا الی الجهاد الاکبر من الجهادِ الاصغر''

''ہم نے جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف رجوع کیا''

کیونکہ نفسوں سے جہاد کرنا جہادِ اکبر ہے۔ جب کوئی بارہ (12) سال نفس سے جہاد کر کے حقیقت کو پہنچتا ہے تو وہ فارغ دُنیا کہلاتا ہے۔

اعتراض: (صفحہ 21 پر)

شریعت اور طریقت میں من مانی تفریق کی ہے۔

جواب / تشریح:

اوپر وضاحت تو کر دی گئی ہے لیکن اعتراض برائے اعتراض کی مزید وضاحت کی جاتی ہے جو کہ ''اصح التواریخ'' میں موجود ہے۔ شریعت حضور سید عالم ﷺ کی متابعت (اتباع کرنا) اور طریقت حضور اقدس ﷺ کے مبایعت (بیعت کرنا) یعنی اپنے آپ کو حضور اقدس ﷺ کے ہاتھ دست بدست کامل طور پر بیچ ڈالنا ہے۔

یعنی متبوع کے اتباع اور پیروی ہی تک رہ جانا شریعت ہے اور متابعت سے متبوع کی مبایعت تک پہنچنا ہی طریقت ہے۔ پس پیروی متبوع اس قدر کرنا ضروری ہے کہ اپنے متبوع تک پہنچ جائے۔ مطلب یہ کہ حضور رسول مقبول ﷺ کی بالمشافہ (حضوری نصیب ہو کر خدمت وسلامی کرے) جو شخص دین کی راہ میں قدم رکھے اسے ضروری ہے کہ اپنا ہاتھ حضور اقدس ﷺ کے دست کرم ورحمت میں دے یعنی جو شخص حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی مبایعت میں سچائی سے قدمِ ہمت رکھے اسے لازم ہے کہ اس قدر سچائی برتے کہ رسول اللہ ﷺ کے دستِ کریم ورحمتوں میں گویا بالمشافہ ہاتھ دے اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضوری کو پالے اور یہ اہل طریقت کو حاصل ہے۔ اگرچہ عقل (ظاہر بین) یاورنہ کرے۔ لیکن ہر بے سروپا کو یہ مرتبہ ہاتھ نہیں لگتا۔ یعنی ہر بے سروسامان کا یہاں تک ہاتھ نہیں پہنچتا کہ کمالِ غلامی ومحبت کے طفیل حضور اقدس کو بالمشافہ پائے اور حضور اقدس ﷺ کا جمال باکمال آنکھوں سے دیکھے اور سب مشکلات حضور ﷺ سے حل کرے اور تمام گتھیوں کی حضور ﷺ سے تحقیق کرے۔ (اصح التواریخ صفحہ 305)

کشف المحجوب میں بھی مختصر الفاظ میں اسی طرح کی تعریف کی گئی ہے: ابوعثمان بن اسمٰعیل حیری فرماتے ہیں کہ مجھے یقین تھا کہ ضرور ظاہر کی طرح شریعت کا بھی باطن ہے۔ جب میں بالغ ہوا تو ایک دفعہ یحییٰ بن معاذ رازیؒ کی مجلس میں شریک ہوا تب اس بھید کو میں نے پالیا اور مقصود پورا ہوا (کشف المحجوب صفحہ 169)۔

اور اہل طریقت کی زکوٰۃ کے بارے میں کشف المحجوب میں بھی اسی طرح تحریر کیا گیا کہ ایک ظاہر عالم نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ سے بطور آزمائش پوچھا کہ زکوٰۃ کتنے مال سے دینی چاہیے۔ انہوں نے جواب دیا دوسو درہم پر جب ایک سال گزر جائے تو پانچ

درہم دینے چاہئیں اور بیس دینار پر جب ایک سال اپنے قبضے میں گزر جائے تو آدھا دینار دینا چاہیے اور یہ مسئلہ تیرے مذہب کا ہے مگر میرے مذہب میں کوئی چیز اپنی ملک میں نہیں رکھنی چاہیے تا کہ زکوۃ کے مشغلہ سے خلاصی حاصل کرے اور اس ظاہری عالم نے کہا کہ اس مسئلہ میں تیرا امام کون ہے؟ آپؒ نے فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آپؓ نے تمام مال خدا کی راہ میں خرچ کردیا۔(کشف المحجوب صفحہ 376)۔

اور مجاہدے کی تشریح فاضل بریلویؒ نے اس طرح کی ہے:

عرض: مجاہدے کے کیا معنی ہیں؟

ارشاد: سارا مجاہدہ اس آیت کریمہ میں جمع فرمادیا ہے:

" و امامن خاف مقام ربهٗ و نهٰی النفس عن الهوٰی فان الجنة هی الماوٰی"

''جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہوتے ڈرے اور نفس کی خواہشوں سے روکے بیشک تو جنت ہی ٹھکانہ ہے''

یہی جہاد اکبر ہے۔حدیث میں ہے: جہاد کفار کے بعد واپس آتے ہوئے فرمایا:'' رجعنا الی الجهاد الاکبر من الجهادِ الاصغر'' ''ہم اب چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پھرے''۔(ملفوظات اعلحضرت حصہ اول صفحہ 98)۔

یہی تشریح طریقت وشریعت کی مینارہ نور میں تحریر کی گئی ہے جو کہ کشف المحجوب،ملفوظات اعلحضرت، اصح التواریخ میں کی گئی ہے۔

اصل عبارت:

شک ان کی کوتاہ بینی اور سیاہ قلبی کا ہے جو آپ ﷺ کی زیارت خواب یا ظاہر سے محروم ہیں۔جب تک آپ ﷺ کسی کو زیارت نہ دیں اس کے اُمتی ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ آپ ﷺ کی زیارت واعانت ہے۔آپ ﷺ تک پہنچنے کا وسیلہ باطنی صفائی ہفت اندام ہے اور باطنی صفائی کا وسیلہ کامل مُرشد ہے۔قرآن مجید میں ہے

" یا ایهاالذین آمنو اتقو الله و ابتغو الیه الوسیله و جاهدو فی سبیلهٖ لعلکم تفلحون ".

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔اس اُمید پر کہ تم فلاح پاؤ''

اعتراض:(صفحہ 24 پر)

حضور ﷺ کا اُمتی ہونے کی ناممکن شرط بیان کی ہے کہ جب تک حضور ﷺ کی زیارت کسی کو نصیب نہ ہو اُس کا امتی ہونا ثابت نہیں۔

جواب/ تشریح:

اصل عبارت میں جملہ اس طرح ہے کہ اس کے اُمتی ہونے کا ثبوت نہیں اعتراض یہ لکھ دیا ہے اس کا اُمتی ہونا ثابت نہیں

حالانکہ ثبوت اسم مصدر ہے اورثابت اسم فاعل ہے۔دونوں الفاظ میں بہت زیادہ فرق ہے اس سے معترض کی علمی قابلیت کا پتہ بھی چلتا ہے۔پھراعتراض صرف مینارہ نور کی عبارت پرنہیں بلکہ حضوراقدس ﷺ کی ذات پر ہے کیونکہ آپ ﷺ خود اپنی زیارت کے بارے میں فرمارہے ہیں۔چنداحادیث نقل کی جاتی ہیں جو کہ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ نے بہارِشریعت میں نقل کی ہیں اور آپ ﷺ کی زیارت کوقریب بواجب لکھا ہے:

حدیث 1۔ دار قطنی وبیہقی وغیرھما،عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے راوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو میری قبر کی زیارت کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔

حدیث 2۔ طبرانی کبیر میں انہی سے راوی ہے کہ" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو میری زیارت کو آئے سوائے میری زیارت کے اور کسی حاجت کے لئے نہیں آیا تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دِن اس کا شفیع بنوں"۔

حدیث 3۔ بیہقی نے حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اُس نے میری زندگی میں زیارت کی اور جو حرمین میں مرے گا قیامت کے دِن امن والوں میں اُٹھے گا۔

زیارت اقدس قریب بواجب ہے۔حاضری میں خالص زیارت کی نیت کرو۔(بہارِشریعت حصہ ششم صفحہ 172)

صرف تین احادیث پر اکتفا کیا ہے۔ ان احادیث سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ کی زیارت ممکن ہے۔اگر ناممکن ہوتی جس طرح معترض نے اعتراض کیا ہے تو آپ ﷺ یہ حدیث نہ فرماتے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب بیداری میں بھی دیکھ لے گا اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ حضور پاک ﷺ تصدیق فرمائیں۔اس لیے کہ قرآن پاک میں ہے:

"**مُصدق لما معکم**" تصدیق کرنے والا آپ ﷺ کی صفت ہے جن انبیاء کرام کی حضور پاک ﷺ نے تصدیق فرمائی وہ سچے نبی اور جن کی تکذیب فرمائی وہ جھوٹے اور آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارک جنکی تصدیق فرمائی وہ صحابہ کرام ہوئے اور جن کی تصدیق نہ فرمائی وہ منافق وخوارج ہوئے۔کشف المحجوب میں بھی یہی تشریح کی گئی ہے:

"پس جس کسی نے محمد ﷺ کو بشریت کی نظر سے دیکھا تو جب وہ دُنیا سے رخصت ہوا تو محمد ﷺ کی تعظیم بھی اس کے دِل سے ساتھ ہی رخصت ہوگئی اور جس نے محمد ﷺ کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھا تو حضور ﷺ کا جانا اور رہنا اس کے نزدیک یکساں ہوا۔"(کشف المحجوب صفحہ 38)

فقیر نور محمد صاحبؒ نے عرفان حصہ اول میں ضروری کا لفظ تحریر کیا ہے۔فرماتے ہیں:

"ہر اُمتی کے لئے ضروری ہے کم ازکم ایک دفعہ عمر میں اپنے آقا نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دیدار پرانوار سے مشرف ہو

بعض خواص ہر سال، بعض ہر ماہ، بعض ہر جمعرات، بعض عارف کامل ہر رات بعض جامع نور الھدیٰ، خدا کے منظور اور مقبول فنا فی الرسول پاک ہستیاں ہر وقت اور ہر آن جس وقت چاہیں آنحضرت ﷺ کے حضور پہنچ کر آپ ﷺ کے دیدار سے مشرف اور آپ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے ہیں''۔

(عرفان حصہ اول صفحہ 331)

نیز فقیر صاحب فرماتے ہیں: ''سچ پوچھو تو اصلی اُمتی ہونا اور حقیقی پیر بننا نہایت مشکل کام ہے۔ خاص اُمتی وہ شخص ہے جو نبی ﷺ کے قدم بقدم چل کر ان کی باطنی منزل اور روحانی مقام تک پہنچ جائے اور نبی ﷺ اسے زبانِ حق سے اُمتی کہہ دیں صرف نام کا اُمتی کسی کام کا نہیں۔ شیر قالین اور ہے، شیر نیستاں اور ہے۔ بعض حاسد کور چشم (جس طرح معترضین) جب اس مرتبے کو حاصل نہیں کر سکتے تو محض ان باطنی مراتب اور روحانی درجات کے انکار سے اپنی تسلی کرتے رہتے ہیں یا ان کی تاویلیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اسلام کے ظاہری چھلکے اور کتابی و کسبی علم کے گھمنڈ پر مغرور رہتے ہیں''۔

(عرفان حصہ اول صفحہ 197)

نیز فقیر صاحب اپنا حال و تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہمیں تو دُنیا میں اصل اور حقیقی دونوں میں کوئی اُمتی نہیں ملتا۔ اُمتی بننے کے لئے اللہ تعالیٰ شاہد حال ہے۔ کئی سال جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرنا پڑا، خونِ جگر پینا پڑا اور اپنا خون پسینہ ایک کرنا پڑا طریقت کے اس پُر خار کٹھن راستے میں کیا کیا روح فرسا اور جاں گداز سفر اختیار کرنے پڑے اگر انہیں بیان کیا جائے تو ان کے سننے سے دِل لرز جائیں اور کلیجے کانپ اُٹھیں اور طُرفہ یہ کہ اس راستہ میں ہر دم دولت دوام اور ہر قدم پر نئی منزل و مقام لیکن پھر بھی اپنے منہ سے یہ دعویٰ زیب نہیں دیتا۔ افسوس کتنا چھوٹا منہ اور بات کس قدر بڑی ہے کہ محض کتابوں کے مطالعے سے گھر بیٹھے ولی چھوڑ نبی بن بیٹھے لیکن آج آزادی کا زمانہ ہے''۔

(عرفان حصہ اول صفحہ 198)

اصلی اُمتی اور تصدیق شدہ اُمتی کی تشریح مینارہ نور صفحہ 65 سوال و جواب کے صفحات پر اسی طرح کی ہے جس طرح فقیر صاحبؒ نے عرفان میں تحریر فرمائی ہے۔ سیدنا ریاض احمد گوھر شاہی تحریر فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو حضور پاک ﷺ نے بیعت کیا تھا پھر جو صرف اقرارِ زبان تک رہے تصدیق قلب تک نہ پہنچے ان میں سے اکثر خوارج اور منافق ہو گئے۔ اور جو آپ کی صحبت ومحبت سے تصدیق قلب تک پہنچ گئے وہ صحابی رسول ﷺ یعنی اصلی اُمتی کہلائے اور جن کو آپ ﷺ نے پردہ فرمانے کے بعد بیعت کیا وہ بھی داخل اُمت ہوئے اور جن کو بیعت کے بعد مرتبہ ارشاد ملا وہ ولی بن گئے۔ جیسا کہ سخی سلطان باھُوؒ فرماتے ہیں:

''دست بیعت کرد مارا مصطفٰے'' ۔ اور پھر جب کوئی ولی سے وابستہ ہو کر فیض یافتہ ہوا وہ بھی اُمتی ہو گیا ورنہ لاحق اُمتی ہوا جب کہ

ہر نبی کی اولاد نبی نہیں ہوسکتی ہر ولی کی اولاد ولی نہیں ہوسکتی تو ہر اُمتی کی اولاد کیسے اصل یا داخل اُمتی ہوسکتی ہے؟

(مینارہ نور صفحہ 66)

زندگی میں زیارتِ اقدس اس لئے بھی ضروری ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص سے آپ کی ذات اقدس کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے:" ما تقول فی حق هذالرجل "اگر زندگی میں زیارت اقدس ﷺ مشرف ہوگا اور آپ ﷺ نے تصدیق فرمائی ہوگی تو ایسے شخص کے لئے جواب کتنا آسان ہوگا۔سوال میں جو تحریر کیا گیا ہے کہ یہ ناممکن ہے تو طریقت کے سلسلوں میں زیارت اقدس کے لئے اولیاء کرام نے درود شریف کی کثرت لکھی ہے۔ان وظائف کو لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اعلحضرت نے بھی زیارت اقدس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

عرض: حبیب اکرم ﷺ کی زیارت شریفہ حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

ارشاد: درود شریف کی کثرت شب میں اور سوتے وقت کے علاوہ ہر وقت تکثیر رکھے اس نیت کو بھی جگہ دے کہ مجھے زیارت عطا ہو۔آگے ان کا کرم بے حد و بے انتہا ہے۔

(ملفوظات اعلحضرت حصہ اول صفحہ 62)

جو درود شریف اعلحضرت نے تحریر فرمایا ہے طوالت کی وجہ سے نہیں لکھا۔ذوق رکھنے والے ملفوظات سے استفادہ کر سکتے ہیں اور ملفوظات حصہ اول صفحہ 94 پر تحریر موجود ہے کہ اعلحضرت شرف باریاب ہوئے۔اگر زیارت اقدس ﷺ ناممکن ہوتی تو آپؒ کو یہ شرف حاصل نہ ہوتا۔معترضین اس سعادت سے محروم ہیں اس لئے ان کے نزدیک ناممکن ہے بلکہ زیارت اقدس ﷺ کثیر تعداد میں اولیاء کرام و دیگر حضرات مشرف ہوئے ہیں اور آپ نے احکام بھی صادر فرمائے ہیں جیسا کہ نورالدین زنگی کو حکم فرمانا کہ مجھے دو کتے پریشان کر رہے ہیں اور ان کی شکلیں بھی دکھائی گئیں۔نورالدین زنگی نے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر ان دو یہودیوں کو قتل کر ڈالا اور احمد شاہ ابدالی کو خواب میں زیارت ہوئی اور حکم ہوا کہ جلد اُٹھ اور پنجاب روانہ ہو کہ سکھوں نے جنڈیالہ کے مسلمانوں کو بہت تنگ اور پریشان کر رکھا ہے۔تعمیلِ حکم پر کامیابی و فتحیابی نصیب ہوئی اور اس کے علاوہ پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف نے زیارتِ اقدس سے مشرف ہو کر یہ نعت لکھی "اج سک متراں دی ودھیری اے" اور اس کے علاوہ سرکار غوث الاعظمؓ و دیگر جلیل القدر اولیاء کرام زیارت اقدس سے مشرف ہوئے دیگر حضرات بھی ہوسکتے ہیں جس کو جس طریقے سے زیارت ہوئی اس نے وہی طریقہ اپنی کتب میں درج فرمایا ہے۔خواجہ غریب نواز نے بھی اپنے وظائف میں زیارت اقدس ﷺ کے لئے کثرت درود شریف لکھا ہے۔اگر ناممکن ہوتی تو کیوں لکھتے؟ بلکہ خواجہ صاحبؒ تو باحکم رسول اللہ ﷺ اجمیر شریف تشریف لائے آپ ﷺ کی زیارت اقدس کو ناممکن لکھنے والا اور اس کا انکار کرنے والا بے دین اور گمراہ کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا۔

اصل عبارت:

حافظوں کا لطیفہ انا جو دماغ میں ہے ضرور پاک ہو جاتا ہے لیکن باقی لطائف جوں کے توں رہ جاتے ہیں۔ احادیث میں بار بار آیا ہے "دع نفسک و تعال" یعنی نفس کو چھوڑ تا کہ اللہ تک پہنچے۔ جس عابد و زاہد نے نفس کو نہ چھوڑا وہ اللہ تک کیسے پہنچے؟

اعتراض: (صفحہ 29 پر)

قرآن مجید کی آیت کا جھوٹا حوالہ دیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بار بار "دع نفسک و تعال" فرمایا ہے حالانکہ پورے قرآن مجید میں کہیں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان وارد نہیں ہوا۔

جواب / تشریح:

اصل عبارت میں قرآن پاک کا حوالہ نہیں دیا گیا بلکہ حدیث پاک کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اگرچہ احادیث کی کتب میں یہ الفاظ موجود نہ بھی ہوں تو ان الفاظ کے جو معانی ہیں اس کے ہم معنی قرآن پاک اور احادیث میں وارد ہیں اسی طرح کی عبارت عرفان حصہ اول میں موجود ہے: بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا: ''کیف الطریق الی الوصال '' یعنی تیرے وصل کا راستہ کون سا ہے تو جواب ملا' دع نفسک و تعال ''یعنی اپنے نفس کو چھوڑ اور چلا آ (مجھ سے واصل ہو جائیگا)۔ جو شخص اللہ کے لئے کسی کے آگے جھکتا ہے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند کرتا ہے۔

(عرفان حصہ اول صفحہ 245)

''اور اسی کے ساتھ ملتا جلتا مضمون قرآن پاک میں وارد ہوا ہے طلب الٰہی کی مقدس وادی میں ففروا الی اللہ اختیار کر کے طالبان مولیٰ کے ہمراہ دوڑ پڑے تو فرشتے تیری اس انوکھی چال پر عش عش کریں گے''۔ (عرفان حصہ دوئم صفحہ 325)

اور قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے: '' و نھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ الماویٰ ' اور اپنے نفس کو ہوائے نفسانی سے روکا پس جنت میں اس کا ٹھکانہ ہے۔ اور داتا علی ہجویری نے کشف المحجوب میں بھی یہی مضمون نقل کیا ہے۔ آثار میں وارد ہے:

اللہ عزوجل نے داؤدؑ کو وحی کی'' یا داؤد عاد نفسک'' یعنی اے داؤد اپنے نفس سے دشمنی کر میری دوستی اس کی دشمنی میں ہے۔ (کشف المحجوب صفحہ 241)

اصل عبارت:

اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آیا ہے:

”یا ایھاالذین امنو کثیر اً مَن الاحبارِ والرھبانِ لیاکلون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ط یوم یحمی علیھا فی نارِ جھنم فتکوٰی بھا جبا ھھم وجنوبھم و ظھورھم ھذا ما کنزتم لا نفسکم فذ وقوقوا ما کنتم تکنزون ط“

”اے ایمان والو! بہت سے علماء بے عمل اور جھوٹے مشائخ مکر وفریب سے مال کھاتے ہیں۔ خدا کے رستے سے روکے رکھتے ہیں سونا چاندی اور نقدی وغیرہ اللہ کے نام پر بطور نذر و نیاز لے کر جمع کرتے ہیں انہیں راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو“۔

اعتراض: (صفحہ 30 پر)

علماء کی شان میں شدید ترین گستاخیاں کی گئی ہیں۔ صفحہ 31 پر ایک آیت کو جو کہ یہود سے متعلق ہے علماء و مشائخ پر چسپاں کیا ہے۔

جواب / تشریح:

جواب تو مینارہ نور کی عبارت میں موجودہ کہ کسی کی شان میں کوئی گستاخی وغیرہ نہیں کی گئی بلکہ شریعت کے مراتب بیان کئے گئے ہیں۔

1۔ بے عمل لوگ جن کے ظاہر اور باطن دونوں خراب ہیں۔

2۔ جن کے ظاہر خراب اور باطن آراستہ، جیسے مجذوب۔

3۔ جن کے باطن خراب اور ظاہر آراستہ ہیں۔ اس کا نام شریعت ناقصہ بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا مرتبہ شریعت حقہ کامل کی تعریف کی گئی ہے اور علماء کا مرتبہ و شان بیان کیا گیا ہے اسی طرح کی عبارت ”تذکرۃ الاولیاء“ میں بھی موجود ہے: ”بے عمل عالم کی مثال بے روح کے جسم جیسی ہے اور علم کا حصول دُنیا کا ذریعہ بھی نہ بناؤ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ عمل آخرت پر دُنیا کو ترجیح دینے سے عزت ختم ہو جاتی ہے اور اس کا نام اہل جہنم میں درج کر لیا جاتا ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء مناقب قطب الدین اولیاء ابواسحاق صفحہ 281)۔

دوسرے مقام پر علماء کی ”تذکرۃ الاولیاء“ میں اقسام تحریر کی گئی ہیں۔ علماء کی بھی تین اقسام ہیں:

اول۔ وہ عالم جو اپنے ظاہر علم کو لوگوں کے سامنے پیش کر دے۔

دوئم۔ وہ عالم جو علوم باطنی کو اہل باطن کے روبرو بیان کر دے۔

سوئم۔ وہ عالم جس کے علم کو اس کے اور خدا کے سوا کوئی نہ جانتا ہو۔ (تذکرۃ الاولیاء مناقب حضرت سہیل تستریؒ صفحہ 155)

بے عمل علماء کو معراج شریف کی شب آپ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کترے جا رہے ہیں پوچھا یہ کون ہیں کہا گیا یہ غیر ذمہ دار مقرر ہیں جو بے تکلف زبان چلاتے اور فتنہ برپا کرتے تھے۔ ظاہری علماء کے بارے میں فاضل بریلویؒ نے بھی تشریح فرمائی ہے۔ ایک جگہ شیخ سعدیؒ کے قول کو اعلیٰحضرت نے بڑی اہمیت دی اور فرمایا کہ کیا وجہ ہے مزید عالم فاضل اور صاحب شریعت و طریقت ہونے سے دامن مراد نہیں بھر پا تا غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس کے اکثر علماء دین اپنے آپ کو پیر سے افضل سمجھتے ہیں یہ علم کا غرور اور کچھ ہونے کی سمجھ کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ (انوارِ رضا صفحہ 242)

نیز غافل علماء کے بارے میں اعلیٰحضرت ایک واقعہ کے ملفوظات میں تحریر ہے کہ ایک صاحب اولیاء کرام میں سے تھے ان کی خدمت میں دو عالم حاضر ہوئے۔ آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ تجوید کے بعض قواعد مستحبہ ادا نہ ہوئے ان کے دِل میں خطرہ گزرا کہ اچھے ولی ہیں جن کو تجوید بھی نہیں آتی اس وقت تو حضرت نے کچھ نہ فرمایا مکان کے سامنے ایک نہر جاری تھی، یہ دونوں صاحب نہانے کے واسطے وہاں گئے، کپڑے اُتار کر کنارے پر رکھ دیئے اور نہانے لگے اتنے میں ایک مہیب شیر آیا اور سب کپڑے جمع کر کے ان پر بیٹھ گیا۔ یہ دونوں ذرا ذرا سی لنگوٹیاں باندھے اب نکلیں تو کیسے؟ علماء کی شان کے بالکل خلاف۔ جب بہت دیر ہوگئی حضرت نے فرمایا بھائیو! ہمارے دو مہمان سویرے آئے تھے وہ کہاں گئے۔ کسی نے کہا حضور وہ تو اس شکل میں ہیں۔ تشریف لے گئے اور شیر کا کان پکڑ کر ایک طمانچہ مارا اس نے دوسری طرف منہ پھیرلیا۔ آپ نے اُس طرف مارا اس نے اس طرف منہ پھیرلیا۔ فرمایا ہم نے نہیں کہا تھا ہمارے مہمانوں کو نہیں ستانا، جا چلا جا۔ شیر اُٹھ کر چلا گیا۔ پھر ان صاحبوں سے فرمایا تم نے زبانیں سیدھی کی ہیں اور ہم نے قلب سیدھا کیا ہے۔ یہ اُن کے خطرے کا جواب تھا۔

(ملفوظات اعلیٰحضرت حصہ چہارم صفحہ 376)

کشف المحجوب میں داتا علی ہجویریؒ نے بھی غافل علماء کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: حضرت شیخ المشائخ یحییٰ ابن معاذ رازیؒ نے کہا کہ ''اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس العلماء الغافلين و الفقراء المداهنين ولا لمتصوفة الجاهلين'' یعنی تین قسم کے آدمیوں سے بچو، غافل علماء سے اور مست فقیروں سے اور جاہل صوفیوں سے۔ مگر غافل علماء وہ ہیں کہ جنھوں نے دُنیا کو اپنے دِل کا قبلہ بنا رکھا ہے اور شریعت سے آسان باتوں کو اختیار کر رکھا ہے۔

(کشف المحجوب صفحہ 21)

اعتراض میں تحریر کیا گیا کہ یہ آیت یہود سے متعلق ہے حالانکہ قرآن پاک کے احکام خاص نہیں ہیں بلکہ عام ہیں۔ یہ اصول ہے کہ شانِ نزول تو خاص لیکن حکم عام ہے۔ لہٰذا، یہ آیت ہر ایسے شخص یا گروہ کے لئے ہے جس میں یہ مذمومہ اوصاف پائے جائیں۔ اس لئے کہ قرآن قیامت تک کے لئے ہے اور احکام بھی قیامت تک کے لئے ہیں اور اسی قسم کی قرآن پاک میں بہت سی آیات

ہیں بلکہ پورا قرآن پاک ہی ہے کیونکہ جس وقت قرآن نازل ہوا جو برائیاں اقوام میں تھیں وہ بیان کی گئیں اور خوبیاں بھی اور قیامت تک کے لئے اچھائیوں پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا اور برائیوں سے دور رہنے کا درس دیا گیا۔اسی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا نعیم الدین مرادآبادیؒ نے مسئلہ تحریر کیا ہے۔حق چھپانا معصیت و گناہ ہے۔اس طرح دین کے احکام بدل کر لوگوں سے رشوت حاصل کرنے کے لئے ان میں فاسد تاویلیں اور تحریفیں کرتے ہیں۔(حاشیہ مولانا نعیم الدین مرادآبادیؒ)

تذکرۃ الاولیاء میں بھی اسی قسم کی عبارت تحریر ہے:

”حصول زر کے لئے تعلیم قرآن خدا کے ساتھ تمسخر ہے۔فرمایا کہ صدق دِل سے ایک شب عبادت بھی ثوابِ جہاد سے کہیں زائد ہے۔“(تذکرۃ الاولیاء مناقبِ حضرت یوسف اسباط صفحہ 223)

اصل عبارت:

ایک واقعہ (قصہ) ہے کہ حضرت شیخ جمال الدین ابو محمد بن عبد البصریؒ کہتے ہیں کہ میری ایک دفعہ حضرت خضرؑ سے ملاقات ہوئی اور اس وقت کے اولیاء کی بابت حضرت خضرؑ نے مجھے بتایا کہ ایک دِن میں بحرِ محیط کے کنارے سے گزر رہا تھا کہ ایک شخص کو دیکھا جو عبا پہنے لیٹا ہوا تھا۔میں نے اسے پہچان لیا کہ یہ ولی ہے میں نے اسے پاؤں سے ہلایا اور کہا کہ خدمت کے لئے کھڑا ہو جا۔اس نے کہا جاؤ اپنا کام کرو۔میں نے کہا کہ اگر تو کھڑا نہ ہوا تو لوگوں کو پکار کر کہہ دونگا کہ یہ اللہ کا ولی ہے۔اس نے کہا اگر تم یہاں سے نہ جاؤ گے تو میں بھی پکار اُٹھوں گا کہ یہ بھی خضرؑ ہے۔میں نے کہا تم نے مجھے کیسے پہچانا میں خضر ہوں؟ اُس نے کہا کہ اب تم ہی بتاؤ میں کون ہوں۔حضرت خضرؑ نے کہا کہ میں نے علم لدنی کے ذریعے پتہ لگانا چاہا لیکن کچھ پتہ نہ چلا پھر میں نے اپنی خدا تعالیٰ کی طرف بڑھائی اور دِل میں کہا ”اے میرے رب میں نقیب الاولیاء ہوں اور یہ ولی میری سمجھ سے باہر ہے“ آواز آئی ”اے خضرؑ تو ان کا نقیب ہے جو مجھے دوست رکھتے ہیں اور یہ شخص ان میں سے ہے جن کو میں دوست رکھتا ہوں“۔اس کے بعد وہ شخص نظروں سے غائب ہو گیا۔حالانکہ اولیاء مجھ سے غائب ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔اے جمال الدین! اس اُمت کے ولی میری دسترس سے باہر ہیں۔اسکا مطلب یہ نہیں کہ اولیاء کرام انبیاء علیہم السلام کے درجہ سے بڑھ کر ہیں بلکہ اس کی ذات میں اسقدر گم ہوئے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک عاشق کے جسم کا گوشت کاٹ کر دینے کا حال ہے۔کچھ مسلمان حضور پاک ﷺ کا علمِ غیب یا چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور معراج جسمانی پر بھی شبہ کرتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ اُٹھا لینے کا اقرار کرتے ہیں۔جب ولائت کا چار درجے والا ظاہری جسم آسمان پر جا سکتا ہے تو انتہائی درجے والے پر شک کیوں کیا جاتا ہے؟

اعتراض:(صفحہ 35 پر)

حضرت خضرؑ اور ان کے علم کی توہین کی گئی ہے۔

جواب/ تشریح:

اصل عبارت میں ان اولیاءاللہ کرام کا ذکر کیا گیا ہے جن کو اللہ دوست رکھتا ہے اور یہ اصل میں حضور اقدس ﷺ ہی کی شان بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کی اُمت میں بعض ایسے لوگ اور ایسے سچے اُمتی موجود ہیں کہ حضور پاک ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے اللہ کی ذات میں اس قدر گم ہوئے کہ اللہ ان کو دوست رکھتا ہے اور اسی عبارت کے ساتھ ملتی جلتی عبارت فاضل بریلویؒ کے ملفوظات میں تحریر ہے:

عرض: حضور افراد کون اصحاب ہیں؟

ارشاد: اجلّہ اولیائے کرام سے ہوتے ہیں۔ ولائت کے درجات ہیں غوثیت کے بعد فردیت، ایک صاحب اجلّہ اولیاء کرام سے کسی نے پوچھا حضرت خضر زندہ ہیں۔ فرمایا ابھی ابھی مجھ سے ملاقات ہوئی تھی فرماتے تھے میں نے جنگل میں ٹیلے پر ایک نور دیکھا جب میں قریب گیا تو معلوم ہوا کہ وہ کمبل کا نور ہے۔ ایک صاحب اسے اوڑھے سو رہے ہیں۔ میں نے پاؤں پکڑ کر ہلایا اور جگا کر کہا اُٹھو مشغولِ بخدا ہو جاؤ۔ کہا اپنے کام میں مشغول رہیں اور مجھے میری حالت پر رہنے دیجئے۔ میں نے کہا کہ میں مشہور کئے دیتا ہوں یہ ولی اللہ ہے۔ کہا میں مشہور کر دونگا کہ یہ خضرؑ ہیں۔ میں نے کہا میرے لئے دعا کرو۔ کہا دعا تو آپ ہی کا حق ہے۔ میں نے کہا تمھیں دعا کرنی ہوگی۔ کہا "اللہ اپنی ذات میں آپ کا نصیبہ زائد فرمائے" اگر میں غائب ہو جاؤں تو ملامت نہ فرمایئے گا۔ اور فوراً نظر سے غائب ہو گئے حالانکہ کسی ولی کی طاقت نہ تھی کی مجھ سے غائب ہو سکے۔ وہاں سے آگے بڑھا، ایک اور اسی طرح کا نور دیکھا کہ نگاہ کو خیرہ کرتا ہے۔ قریب گیا تو دیکھا ٹیلے پر ایک عورت کمبل اوڑھے سو رہی ہے وہ اس کے کمبل کا نور رہے۔ میں نے پاؤں ہلا کر ہوشیار کرنا چاہا۔ غیب سے ندا آئی اے خضرؑ احتیاط کیجئے۔ اس بی بی نے آنکھ کھولی اور کہا "حضرت نہ رُکے، یہاں تک کہ روکے گئے"۔ میں نے کہا اُٹھ، مشغول بخدا ہو۔ کہا حضرت اپنے کام میں مشغول رہیں مجھے اپنی حالت پر رہنے دیں۔ میں نے کہا کہ میں مشہور کیے دیتا ہوں کہ یہ ولی اللہ ہیں۔ کہا میں مشہور کر دونگی کہ یہ خضرؑ ہیں۔ میں نے کہا میرے لئے دعا کرو۔ کہا دعا تو آپ کا حق ہے۔ میں نے کہا تمھیں دعا کرنی ہوگی۔ کہا "اللہ اپنی ذات میں آپ کا نصیبہ زائد فرمائے" اگر میں غائب ہو جاؤں تو ملامت نہ فرمایئے گا۔ میں دیکھا یہ بھی جاتی ہے، کہا، یہ تو بتایئے کیا تم اس مرد کی بی بی ہو۔ کہا ہاں، یہاں ایک ولیہ کا انتقال ہو گیا تھا، اس کی تجہیز و تکفین کا ہمیں حکم ملا تھا۔ یہ کہا اور میری نگاہ سے غائب ہو گئی۔ حضرت خضرؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ افراد ہیں۔ میں نے کہا وہ بھی کوئی ہے جس کی طرف یہ رجوع لاتے ہیں فرمایا ہاں شیخ عبدالقادر جیلانیؓ۔ (ملفوظات اعلحضرت حصہ اول صفحہ 117)

ایسے اولیاءِ کرام کے بارے میں فاضل بریلوی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

عرض: رجال الغیب بھی سلسلے میں ہوتے ہیں؟

ارشاد: ہاں یہ بھی سلسلے میں ہوتے ہیں۔البتہ سوائے حضور اقدس ﷺ کے کسی اور کے ماتحت نہیں۔اسی واسطے فرد کہلاتے ہیں۔سلسلے میں کسی کے نہیں لیکن غوث الاعظمؓ کی طرف رجوع سے چارہ نہیں۔(ملفوظات اعلحضر ت حصہ چہارم صفحہ 345)

نیز سچے مجذوب کے بارے میں بھی فاضل بریلویؒ فرماتے ہیں: ''سچے مجاذیب بھی نماز نہیں چھوڑتے اگر چہ لوگ انہیں پڑھتے نہ دیکھیں کسی نے حضور سیدنا غوث الاعظم سے حضرت سیدی قضیب البان موصلہ قدس سرہٗ کی شکائت کی کہ ان کو کبھی نماز پڑھتے نہ دیکھا۔ارشاد فرمایا اسے کچھ نہ کہو اس کا سر ہر وقت خانہ کعبہ میں سجود میں ہے۔(ملفوظات اعلحضر ت حصہ دوئم صفحہ 210)

اگر معترضین کے اعتراض کے مطابق مینارہ نور کی عبارت میں حضرت خضرؑ کے علم کی توہین کی گئی ہے تو یہی اعتراض فاضل بریلویؒ پر بھی آتا ہے حالانکہ صرف اُمت محمدی ﷺ کے بعض اجلّہ اولیاءِ کرام کی شان مینارہ نور اور ملفوظات اعلحضر ت میں بیان کی گئی ہے اور یہ اعتراض بھی کم علمی کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

اصل عبارت:

''و کل ولی له قدم و انی علیٰ قدم النبی بدر الکمالِ'' (قصیدہ غوثیہ)

''ہر ولی کا قدم کسی نبی کے قدم پر ہوا کرتا ہے لیکن میرا قدم نبی ﷺ کے قدم مبارک پر ہے''

ولائت کے یہ پانچوں درجے آپ ﷺ کے طفیل آپ ﷺ کی اُمت کے خواص کو بھی ملے۔کیوں نہ وہ نبی اس اُمت پر رشک کرتے۔اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو علم لدنی سکھایا۔آپ کا ظاہر و باطن ایک تھا۔آپ کو لوحِ محفوظ کا بھی کشف تھا۔یہ کرامت اس اُمت کے ولیوں کو بھی عطا ہوئی۔حضرت ابراہیم پر آگ ٹھنڈی ہوئی اس اُمت کے بھی کئی ولی آگ پر چہل قدمی کر گئے۔موسیٰؑ کے پاس عصا تھا جو پھینکنے سے اژدہا بن جاتا اس اُمت کے ولیوں کو بھی یہ طاقت حاصل ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر لیتے ان ولیوں میں سے بھی ایسی کرامت رونما ہوئی۔وہ نبی دیدارِ الٰہی کو ترستے آئے یہ دیدار میں رہتے ہیں۔فرق یہ ہے کہ نبی با معجزہ ہوتا ہے جسے ظاہر کرنا پڑتا ہے اور ولی با کرامت ہوتا ہے جسے چھپانا پڑتا ہے لیکن بعض سے بحالت جلالیت یا بحالیت کمالیت یہ کرامتیں ظاہر ہوئیں جیسا کہ پیرانِ پیر دستگیر کا بارہ سال کی ڈوبی کشتی کا قصہ ہے۔شاہ شمس سبزواریؒ کا ہندو کے بچے کو ''قم باذنی'' سے زندہ کرنا اور بعد میں فتویٰ لگنا،حضرت ادھمؒ کا بادشاہ کی لڑکی کو قبر سے نکال لانا،زندہ ہونا پھر اس سے شادی کرنا جس سے ابراہیم بن ادھمؒ پیدا ہوئے۔حضرت مخدوم جہانیاں کا روضہ اقدس میں ہجوم سے اُڑ جانا،حضرت لعل شہباز قلندر کا قلعہ کو پلٹ دینا،حضرت امام بریؒ کا مردہ بھینسوں کو تالات سے دوڑانا اور بچھڑے کا پتھر کا ہو جانا۔

اعتراض:(صفحہ 39 پر)

اولیاء کو انبیاء پر فضیلت دے کر اپنے ایمان کو یوں داؤ پر لگایا ہے ''نبی دیدارِ الٰہی کو ترستے ہیں اور یہ (اولیائے اُمت) دیدار میں رہتے ہیں.........'' ولی نبی کا نعم البدل ہے۔

جواب/ تشریح:

اصل عبارت میں محمد ﷺ کے بعض اولیاء کرام کی شان و مراتب و درجات بیان کئے گئے ہیں کہ آپ ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے آپ کی اُمت میں سے بعض کو اللہ کا دیدار نصیب ہوا ہے جیسا کہ مولانا امجد علیؒ نے بہارِ شریعت حصہ اول میں تحریر فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا قلبی دیدار یا خواب میں اولیاء کرام کے لئے حاصل ہے۔ ہمارے امام اعظمؒ کو سو (100) بار زیارت ہوئی (بہارِ شریعت حصہ اول صفحہ 8)۔

ولایت کے بارے میں حضرت فاضل بریلویؒ فرماتے ہیں:

عرض: حضور یہ مشہور ہے ' الولایة افضل من النبوة'

ارشاد: یوں نہیں بلکہ یوں ہے ' ولایة النبی افضل من نبوته '' نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افض ہے کہ ولایت کی توجہ الی اللہ ہے اور نبوت کی توجہ الی الخلق ہے۔

عرض: حضور ولی کی ولایت بھی متوجہ الی اللہ ہوتی ہے؟

ارشاد: ہاں، مگر اس کی توجہ الی اللہ نبی کی توجہ الی الخلق کے کروڑ ویں حصہ کو نہیں پہنچتی۔

اعلحضرت کی تشریح سے بھی واضح ہوا کہ ولایت توجہ الی اللہ ہے۔

دراصل اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ سے محبت کرنے کا ذریعہ اللہ کا ذکر ہے۔ 'من احب شیئاً اکثر ذکرہ'' یعنی جو کسی سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر بھی کثرت سے کرتا ہے۔ کیونکہ محبت اور عشق کا تعلق دِل سے ہے زبان سے نہیں اگر آپ زبان سے ساری عمر اللہ اللہ کرتے رہیں تو یہ عبادت ہوسکتی ہے مگر محبت نہیں کیونکہ قرآن پاک کے حوالے سے محبت کا تعلق دِل سے ہے ''قد شغفھا حُبّاً'' محبت اُس کے دِل میں پیوست ہوگئی (سورۃ یوسف ع14)۔ (اعلحضرت)

جب آپ کا دِل اللہ اللہ کرنے لگے گا تو پھر یہی ذکر اللہ ھو محبت کا رنگ لائے گا اور یہ اسم ذات اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے علاوہ کسی نبی کو عطا نہیں کیا یہی وجہ تھی کہ نبی اسرائیل کے نبی اللہ کا دیدار نہیں کر سکے اور حضور پاک ﷺ کے اُمتیوں نے (آپ ﷺ کے وسیلہ سے) اللہ کا دیدار کر لیا۔ (تحفۃ المجالس حصہ سوئم صفحہ 13)

مینارہ نور کی عبارت، جو کہ اصل عبارت کے حوالہ سے تحریر کی گئی ہے، سے ماقبل عبارت میں اولیاء کرم کی شان و مراتب کے حوالہ سے ایک جملہ پر بھی اپنی کم عقلی کے سبب اعتراض کیا ہے۔ اس جملہ کی تائید کے لئے اعلحضرت کی عبارت تحریر کی جاتی

ہے جوکہ ملفوظات حصہ اول میں درج ہے۔طبرانی ونعیم بن حماد استاذ امام بخاریؒ وغیرھما نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”بے شک اللہ نے میرے سامنے دُنیا اُٹھالی ہے تو میں، اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو اور حضور ﷺ کے صدقہ سے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے غلاموں کو یہ مرتبہ عنایت فرمایا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں وہ مرد نہیں جو تمام دُنیا کو مثل ہتھیلی کے نہ دیکھے۔اُنہوں نے سچ فرمایا، اپنے مرتبے کا اظہار کیا۔ان کے بعد حضرت شیخ بہاؤ المِلَّةَ وَالْدِین نقشبندیہ قدس سرہُ نے فرمایا میں کہتا ہوں مرد وہ نہیں جو تمام عالم کو انگوٹھے کے ناخن کے مثل نہ دیکھے اور وہ جو نسب میں حضور کے صاحبزادے اور نسب میں حضور ﷺ کے ایک اعلیٰ جاہ کنش بردار ہیں یعنی حضور سید ناغوث الاعظم رضی اللہ عنہ قصیدہ غوثیہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

” نظرت الی بلاد اللہ جمعاً کخردلة علی حکم اتصالٖ“

یعنی میں نے اللہ کے تمام شہروں کو مثل رائی کے دانے کے ملاحظہ کیا اور یہ دیکھنا کسی خاص وقت سے خاص نہ تھا بلکہ علی الاتصال یہی حکم ہے۔(ملفوظات اعلحضرت حصہ اول صفحہ 31)

آخر میں جملہ ”ولی، نبی کا نعم البدل ہے“ کے معنی تحریر کر کے مضمون اختتام پذیر ہوتا ہے۔نعم البدل کا مطلب بہت ہی اچھا بدل یعنی اس کے قائم مقام ہے جس طرح وضو کا نعم البدل تیمّم ہے۔آپ تیمّم سے ہر وہ کام کر سکتے ہیں جو وضو سے کرتے ہیں مثلاً نماز، تلاوت، طواف اور قرآن پاک میں بھی اسی طرح کا معنی استعمال کیا گیا ہے۔

آیت 1۔ ان اللہ مولکم ط نعم المولیٰ و نعم النصیر (پارہ 9 رکوع 19)

”بے شک اللہ تمہارا مولا ہے، تو کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار“۔(اعلحضرت)

آیت 2۔ نعم العبدانه تواب (پارہ 23 رکوع 13)

”کیا اچھا بندہ بیشک وہ بہت رجوع لانیوالا ہے“۔

نتیجہ: بہارِ شریعت میں بھی مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ قلبی دیدار یا خواب میں اُمت محمدی ﷺ کے اولیاء کرام کو دیدارِ الٰہی ثابت ہے۔

اصل عبارت:

اُس دِن کے بعد یعنی 20 سال کی عمر سے بتیس 32 سال کی عمر تک اسی گدھے کا اثر رہا۔نماز وغیرہ سب ختم ہوگئی۔جمعہ کی بھی ادا نہ ہوسکتی۔پیروں فقیروں اور عالموں سے چڑ ہوگئی اور اکثر محفلوں میں ان پر طنز کرتا۔شادی کر لی تین بچے ہوگئے اور

کاروبار میں مصروف ہوگیا۔ زندگی کا مطلب یہی سمجھا کہ تھوڑے دِن کی زندگی ہے عیش کرلو۔ فالتو وقت سینماؤں اور تھیڑوں میں گزارتا۔ روپیہ اکٹھا کرنے کے لئے حلال وحرام کی تمیز بھی جاتی رہی۔ کاروبار میں بے ایمانی، فراڈ اور جھوٹ شعار بن گیا یہی سمجھئے کہ نفس امارہ کی قید میں زندگی کٹنے لگی۔ سوسائیٹوں کی وجہ سے مرزائیت اور کچھ وہابیت کا اثر ہوگیا۔

اعتراض: (روحانی سفر صفحہ 8،7)

اس کتاب کے صفحہ 8،7 پر ریاض گوہر شاہی نے اپنے ان کارناموں کا اظہار کیا ہے۔

''کاروبار میں بے ایمانی اور فراڈ اور جھوٹ شعار بن گیا۔ یہی سمجھئے کہ نفس امارہ کی قید میں زندگی کٹنے لگی۔ سوسائٹیوں کی وجہ سے مرزائیت اور کچھ وہابیت کا اثر ہوگیا۔'' پوری کتاب ''روحانی سفر'' میں مرزائیت اور وہابیت سے کہیں بھی صراحتاً توبہ کا ذکر نہیں ملتا ۔اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ شخص بقول خود کچھ کچھ قادیانی اور کچھ کچھ وہابی ہے۔

جواب / تشریح:

اعتراض کی عبارت کا جواب صراحتاً روحانی سفر کے آخری صفحات پر تحریر کیا گیا ہے جواب کی عبارت یہ ہے

''مقصد یہ تھا کہ مرزائیوں اور وہابیوں کے ساتھ بیٹھنے سے ان کے دین کی بھی کچھ باتیں اثر انداز ہونے لگیں نہ کہ وہابی، مرزائی ہوگیا''

اب روحانی سفر کی مذکورہ بالا عبارت کی مزید تشریح کی جاتی ہے تاکہ پوری عبارت کا مطلب واضح ہوجائے۔

حضرت سیدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہُ العالی کی زندگی کا تیسرا حصہ دُنیاداری کا ہے۔ یعنی سن بلوغت کے بعد بیس سال تک کی زندگی کا حصہ۔ بیس سے بتیس سال کی زندگی کا حصہ جس میں دُنیا اور دُنیاداری اور اپنے کاروبار کی تشریح کی ہے۔ یہ بھی آپ کی نیک نیتی اور ایمانداری ہے کہ آدمی کیسا ہی کیوں نہ ہو لیکن جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

رہا سوال کہ روحانی سفر میں مرزائیت اور وہابیت سے کہیں بھی صراحتاً توبہ کا ذکر نہیں ملتا۔ اگر روحانی سفر کو سچی نیت سے پڑھا جائے تو صراحتاً توبہ کا ذکر موجود ہے۔ روحانی سفر کے صفحہ نمبر 11 پر صراحتاً یہ الفاظ موجود ہیں:

''بیٹا اب تمہارا وقت آچکا ہے ہوشیار ہوجاؤ۔ باقاعدہ نماز شروع کرو گناہوں سے تائب ہوجاؤ۔ روزانہ بعد نماز مغرب کسی شیریں چیز پر اولیاء، انبیاء کی ارواح کیلئے فاتحہ پڑھا کرو تاکہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو اور فرش پر سویا کرو، میں نے ان نصیحتوں پر دِل سے عمل شروع کردیا''۔ یہی تو سچی توبہ ہے کہ انسان دِل سے عمل شروع کردے۔

تذکرۃ الاولیاء کے صفحہ 166 پر توبہ کے بارے میں اسی طرح کے الفاظ موجود ہیں: ''جب تک بندہ دِل سے ندامت نہ کرے

زبانی توبہ بے سود ہے اور جب تک عبادت وریاضت میں جدوجہد شامل نہ ہو تو اس وقت گناہ سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔"

نیز تذکرۃ الاولیاء مناقب حضرت رابعہ بصریؒ صفحہ 45 پر توبہ کے بارے میں یہ الفاظ تحریر ہیں: "آپؒ اکثر فرمایا کرتیں کہ صرف زبانی توبہ کرنا جھوٹے لوگوں کا فعل ہے کیونکہ اگر صدق دِل کے ساتھ توبہ کی جائے تو دوبارہ کبھی توبہ کی ضرورت پیش نہ آئے"۔

اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کے ذریعے دین کا کام لینا تھا اور آپ کے ذریعے مردہ دِلوں کو اللہ کے ذکر سے جاری کرانا مقصود تھا اور دُنیاداروں کی اصلاح مقصود تھی لہٰذا اس وجہ سے بھی آپ کو بارہ سال تک دُنیاداری میں مبتلا کیا گیا تاکہ اچھی طرح عملی طور پر دُنیا داری کا مشاہدہ کرلیں۔آپ نے بھی وہی کام کئے جو دُنیادار اکثر کرتے ہیں۔اس دُنیاداری کی خود تشریح فرماتے ہیں:

"شادی کرلی تین بچے ہوگئے اور کاروبار میں مصروف ہوگیا۔"

دوسری بات، اس بارہ سال کے عرصہ میں آپ کا شادی کرنا اور بچے ہونا جن کی محبت ایک فطری عمل ہے اکثر لوگوں کے لئے کاروبار اور بیوی بچے اللہ کی طرف رجوع کرنے سے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

قرآن پاک میں بھی یہی ارشاد ہے: "انما اموالکم و الادکم فتنة" بے شک تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہے۔

یعنی ایسے مال اور ایسی اولاد جو راہِ حق سے رکاوٹ بنے وہی فتنہ ہے۔اور یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ بیس سال سے قبل کی زندگی میں آپ کا طلب حق کے لئے نکلنا اتنا مشکل نہیں تھا جتنا بتیس سال کے بعد آپ نے طلب حق کے لئے سفر کیا۔اس سفر میں کاروبار چھوڑا، گھربار اور بیوی بچے جن کی محبت ایک فطری عمل تھا۔جو لوگ آپ کی اس بارہ سالہ زندگی پر اعتراض کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں کیونکہ راہ حق پر آنے سے پہلے کی برائیاں محض دوسروں کی اصلاح اور ذوقِ عملی پیدا کرنے کی نیت سے بیان کرنا گناہ نہیں اور راہِ مستقیم ملنے کے بعد جو انقلابی تبدیلیاں وجود میں آتی ہیں وہ طلب حق کے متلاشیوں کی جستجو کو کئی گنا بڑھا دیتی ہیں۔

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں:

" حضرت بشر حافیؒ ولایت سے پہلے شراب پیا کرتے تھے۔آپ کی توبہ کا سبب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تعظیم کرنا بن گیا"۔(تذکرۃ اولیاء صفحہ 102)

"حضرت فضیل بن عیاضؒ ولایت سے قبل بہت بڑے ڈاکو تھے اور آپ کی توبہ قرآن پاک کی آیت الم یان للذین امنو ا ان تخشع قلوبھم لذکر الله کا سننا بن گیا"۔(تذکرۃ اولیاء صفحہ 76)

"حضرت ابراہیم بن ادھم ولایت سے قبل شاہ بلخ تھے۔ولایت کے بعد آپؒ نے بادشاہت چھوڑ دی"۔(تذکرۃ اولیاء صفحہ 84)

اور اسی قسم کا واقعہ قرآن کریم کی تفسیر میں بھی موجود ہے۔حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاہِ نجاشی کے روبرو ماضی

کے گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہم بچیوں کو زندہ درگور کیا کرتے تھے۔ حرام وحلال کی تمیز نہ تھی۔ ہر قسم کی برائیوں اور بے حیائیوں پر فخر کرتے تھے۔ یہاں تک کہ راہِ حق ملی۔ (پ7ع1)

روحانی سفر کے صفحہ 7،8 پر حضرت سیدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہُ العالی نے اپنی نجی زندگی تحریر کر کے لوگوں کی اصلاح کی ہے کہ انسان کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کو ہدایت دیتے دیر نہیں لگتی اور طلب حق کی طرف رجوع کرنے کے اسباب بھی روحانی سفر میں تحریر کئے گئے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ سوسائٹیوں کی وجہ سے مرزائیت اور کچھ وہابیت کا اثر ہو گیا۔ اس جملہ میں بھی اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ انسان کو بدعقیدہ لوگوں کی محفلوں سے بچنا چاہیے اگر ایسی محفلوں میں بیٹھے گا تو لامحالہ اس کا اثر بھی ہوگا۔ پھر آپ نے یہ جملہ لکھا ہے کہ ان سوسائٹیوں میں بیٹھنے سے اس کے کچھ اثرات ہو گئے۔ یہ کہیں بھی نہیں تحریر ہے کہ میں وہابی یا مرزائی ہو گیا۔

اصل عبارت:

فیض حاصل نہیں کرسکتا۔ میں نے کہا میری قسمت اور بیعت ٹوٹ گئی۔ اب گولڑہ شریف صاحبزادہ معین الدین صاحب سے بیعت ہوا۔ انہوں نے نماز کے ساتھ ایک تسبیح درود شریف کی بتائی۔ میں نے کہا اس سے کیا ہوتا ہے۔ کوئی ایسی عبادت بتائیں جو میں ہر وقت کرسکوں۔ بقول اس آیت کے کہ جب نماز پڑھ لو تو میرے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ اُٹھتے بیٹھتے حتیٰ کہ کروٹیں لیتے بھی، انہوں نے کہا تو کس زمانے میں ایسی بات کرتا ہے وہ لوگ ختم ہو گئے۔ جا، نماز پڑھ گناہوں سے توبہ کر، ایک تسبیح روزانہ درود شریف پڑھا کر، ماں باپ کی خدمت کر، رزقِ حلال کھا اور ہمارے آستانے میں بھی حاضری دیا کر۔ بس یہی کافی ہے۔ میں نے کہا نماز بھی پڑھتا ہوں۔ درود شریف کی بھی کئی تسبیحاں پڑھتا ہوں لیکن پیاس نہیں بجھتی۔ اُنہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور بے رُخی سے دوسرے شخص کی طرف متوجہ ہو گئے اور پھر تھوڑی دیر بعد آستانہ سے اُٹھ کر چلے گئے۔ میں نے یہی سمجھا کہ ان کے پاس بھی ظاہری لبادہ ہے ورنہ طالب سے اس طرح کوئی بے رُخی نہیں کرتا اور بیٹھے ہی بیٹھے وہاں سے بھی بیعت ٹوٹ گئی۔

اعتراض:

ریاض گوہر شاہی کے نزدیک نماز درود شریف کی کوئی خاص اہمیت معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ روحانی سفر صفحہ 3 پر اپنے بارے میں لکھتا ہے: ”اب گولڑہ شریف صاحبزادہ معین الدین صاحب سے بیعت ہوا۔ اُنہوں نے نماز کے ساتھ ایک تسبیح درود شریف کی بتائی۔ میں نے کہا اس سے کیا ہوتا ہے کوئی ایسی عبادت ہو جو میں ہر وقت کرسکوں۔ (یعنی معاذ اللہ نماز اور درود شریف سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا)

جواب / تشریح:

حضرت ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہُ العالی کی زندگی کا مُرشد کی تلاش کا عرصہ تقریباً پانچ سال کا بنتا ہے۔یعنی سن بلوغت سے بیس سال تک کا عرصہ جیسا کہ سابق اولیاءِ کرام کا طریقہ رہا ہے۔حضرت سلطان العارفین فرماتے ہیں:

''سی سال کہ در طلب مرشد گشتم داکنون سالھا شد کہ در طلب طالب ہستم و ہیچ طالب برروئے زمین حوصلہ وسیع لائق ارشاد و تلقین نمے یا ہم کہ زکوٰۃ متبرکات از نصاب بے حساب خود بروئے بخشش وعطا کنم وحق از گردِن کودساقط سازم''۔

یعنی میں تیس سال تک مرشد کامل کی طلب میں پھرتا رہا ہوں اور اب بہت سالوں سے طلب صادق بالیقین لائق ارشاد تلقین حوصلہ وسیع روئے زمین پر مجھے نظر نہیں آتا کہ میں اپنی باطنی دولت کیلئے حساب نصاب سے زکوٰۃ نکال کر اس پر بخشش کروں اور اللہ تعالیٰ کا حق اپنی گردِن سے ساقط کروں''(مخزن الاسرار صفحہ 185)

اسی طرح آپ کا بھی مرشدِ حق کی تلاش میں چار جگہ جانا روحانی سفر میں مذکور ہے۔پہلا آپ کا بابا گوہر علی شاہؒ کے مزار پر درود شریف،نوافل ادا کرنا اور تہجد پڑھنا روحانی سفر میں صفحہ 3 پر تحریر ہے۔لیکن جس راستے کی آپ کو تلاش تھی (یعنی ذکر قلب) وہ آپ کو حاصل نہیں ہوا تو آپ نے دوسرا طریقہ بیعت ہونے کا ارادہ فرمایا اور پیر ویول شریف سے بیعت ہوگئے۔آپ نے ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا لیکن پھر بھی اصل مقصد (یعنی ذکر قلب دائمی) حاصل نہیں ہوا تو آپ نے پیر صاحب سے بیعت توڑنے کو کہا'' کہنے لگے بیعت کیوں توڑتا ہے؟ میں نے کہا میری پیاس نہیں بجھی''۔ ماسبق عبارت کا صاف مطلب ہے کہ آپ کو ہر وقت عبادت کرنے کا شوق شروع ہی سے تھا اس لئے فرمارہے ہیں کہ میری پیاس نہیں بجھی۔اس جگہ فاضل بریلویؒ کا قول نقل کرتے ہیں جو کہ ملفوظات میں نقل کیا گیا ہے:

عرض: کسی شیخ سے بیعت کرکے دوسرے سے رجوع کرسکتا ہے یا نہیں؟

ارشاد: اگر پہلے میں کچھ نقصان ہو تو بیعت ہوسکتی ہے ورنہ نہیں۔البتہ تجدید ہوسکتی ہے۔(ملفوظات اعلیحضرت حصہ دوئم صفحہ 191)

آپ کا جو اصل مقصد تھا یعنی دائمی عبادت حاصل ہو۔جب یہ حاصل نہیں ہوا تو آپ نے بھی اپنی قسمت آزمانے کے لئے بیعت توڑ دی اور گولڑہ شریف صاحبزادہ معین الدین سے بیعت ہوگئے۔''۔اُنھوں نے نماز کے ساتھ ایک تسبیح درود شریف کی بتائی۔ میں نے کہا اس سے کیا ہوتا ہے کوئی ایسی عبادت ہو جو میں ہر وقت کرسکوں۔'' یہ بقول اُس آیت کے کہ ''جب نماز پڑھ لو تو میرے ذکر میں مشغول ہو جاؤ اُٹھتے بیٹھتے حتیٰ کہ کروٹیں لیتے بھی''۔(پارہ 5 رکوع 12)

اس عبارت کا بھی صاف مطلب ہے کہ آپ کو عبادت الٰہی کا ذوق وشوق شروع ہی سے حددرجہ کا ہے۔

اعتراض میں جو یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک درود شریف کی خاص اہمیت معلوم نہیں ہوتی یہ اعتراض سراسر حسد پر مبنی ہے۔

کیونکہ آپ بابا گوہر علی شاہ کے مزار پر درود شریف ،نوافل اور تہجد تک پڑھا کرتے تھے۔کتاب شروع ہی انہی الفاظ سے کی گئی ہے۔ عبارت کا صاف مطلب ہے کہ آپ (حضرت ریاض احمد گوہر شاہی) کے نزدیک درود شریف کی بہت بڑی اہمیت ہے تب ہی تو پڑھا کرتے تھے جبکہ صاحبزادہ صاحب نے نماز کے ساتھ ایک تسبیح درود شریف کی بتائی تو آپ نے سوال کیا اس سے کیا ہوتا ہے تو یہ ایک سوال ہوا جس کا جواب تسلی بخش اور درود شریف کے فوائد وغیرہ بتانا چاہیے تھا تا کہ آپ مطمئن ہو جاتے۔اور پھر اصل سوال تو ہر وقت عبادت کرنے کا تھا جس کے جواب میں صاحبزادہ صاحب نے فرمایا تو کس زمانے کی بات کرتا ہے وہ لوگ ختم ہو گئے۔ عبارت کا مطلب بھی یہ ہے کہ صاحبزادہ صاحب بھی ذکر قلب کی عبادت کے قائل تو تھے تب ہی فرما رہے ہیں کہ وہ لوگ ختم ہو گئے۔

روحانی سفر کے اسی صفحہ پر سطر نمبر 8 میں آپ کا جواب اس طرح ہے کہ نماز بھی پڑھتا ہوں اور درود شریف کی کئی تسبیحاں پڑھتا ہوں جبکہ اُنہوں نے صرف ایک تسبیح درود شریف کی بتائی اور جواب میں کئی تسبیحاں درود شریف کی پڑھنا تحریر ہے۔درود شریف کی اہمیت تھی تو پڑھتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے درود شریف بھی بہت کثرت سے پڑھا ہے اور پڑھتے ہیں۔

روحانی سفر کے صفحہ 49 پر تحریر موجود ہے جب آپ کو سرورِ کائنات ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو جسم جھومتے جھومتے بے قابو ہو گیا اور زمین سے تین چار فٹ اُٹھ گیا۔یعنی ہوا میں جھوم جھوم کر درود شریف پڑھا جا رہا تھا۔یہ ہے درود شریف کی آپ کے نزدیک اہمیت وافادیت۔اور روحانی سفر کے صفحہ 49 پر تحریر ہے: ’’اب درود شریف کثرت سے پڑھ اس وقت تک پڑھ جب تک یہ حالت جذب ختم نہ ہو اور پھر میں (ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہُ العالی) نے درود شریف کے وسیلے سے سکر پر آغاز ہی سے قابو پا لیا‘‘۔ اس تحریر سے وضاحت ہوتی ہے کہ آپ کے نزدیک درود شریف کثرت سے پڑھنا ثابت ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک درود شریف کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔اور اس وقت بھی طالبین کو درود شریف پڑھنے کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔

اصل عبارت:

اتنے میں اُس نے سگریٹ سلگایا اور چرس کی بو اطراف میں پھیل گئی۔اور مجھے اُس سے نفرت ہونے لگی۔رات کو الہامی صورت پیدا ہوئی ’’یہ شخص اُن ہزاروں عابدوں،زاہدوں اور عالموں سے بہتر ہے جو ہر نشے سے پرہیز کر کے عبادت میں ہوشیار ہیں لیکن بخل،حسد اور تکبر اُن کا شعار ہے۔یہ شخص جس سے تو نے نفرت کری،اللہ کے دوستوں سے ہے عشق اس کا شعار ہے اور یہ نشہ اس کی عادت ہے۔جبکہ:

عشق بدعت کو جلاتا ہے

نظرِ رحمت گناہوں کو جلاتی ہے

اور کبر و بخل عبادت کو جلاتا ہے

بس پھر یہی سمجھا کہ

خدا ہے عقل و فہم سے دور

سمجھ جائے جس کو بندہ، وہ خدا کیا!"

اعتراض:

یہ شخص نشہ کو عبادت ٹھہراتا ہے جبکہ نشہ حرام قطعی ہے۔ چنانچہ روحانی صفر صفحہ 49 تا 50 پر رقمطراز ہے:

"اتنے میں اُس نے سگریٹ سلگایا اور چرس کی بو اطراف میں پھیل گئی اور مجھے اُس سے نفرت ہونے لگی۔ رات کو الہامی صورت پیدا ہوئی یہ شخص (یعنی چرسی) اُن ہزاروں عابدوں، زاہدوں اور عالموں سے بہتر ہے جو ہر نشے سے پرہیز کر کے عبادت میں ہوشیار ہیں لیکن بخل، حسد اور تکبر اُن کا شعار ہے۔ یہ شخص جس سے تو نے نفرت کری، اللہ کے دوستوں سے ہے عشق اس کا شعار ہے اور یہ (چرس کا) نشہ اس کی عبادت ہے۔ (معاذ اللہ! بالکل ہی واضح طور پر نشہ کو صرف حلال ہی نہیں بلکہ عبادت ٹھہرایا جا رہا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم)

جواب/ تشریح:

مختصر جواب اس عبارت کا روحانی سفر کے آخری اوراق پر موجود ہے۔ جواب یہ ہے۔ یہ بھی الہامی صورت ہے۔ حق ہے یا استدراج یہ رب ہی جانتا ہے کہ ہم نے جیسا سُنا ویسا لکھ دیا۔ یہ جواب سیدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہُ العالی کا ہے۔

اعتراض میں سب سے بڑی خیانت یہ کی گئی ہے کہ نشہ کو عبادت کہا ہے حالانکہ اصل عبارت میں "نشہ کی عادت" تحریر ہے۔ کسی بھی شخص کی عادات تحریر کرنا اچھی ہوں یا بری یہ لکھنے والے پر ہے۔ اپنے سفر یعنی جئے شاہ نورانیؒ کی زیارت کے سفر میں جس شخص سے حضرت کی ملاقات ہوئی اس کی عادت کو آپ نے اپنے سفر نامے میں قلمبند کیا ہ اور روحانیت کے سفر میں جو حالات آپ کے ساتھ پیش آئے ان کی تحریر کیا گیا ہے۔ وہ ایک طرح کا سفر نامہ ہوتا ہے جس میں مختلف لوگوں کے حالات و اطوار لکھے جاتے ہیں۔ اور باقی رہی بخل، حسد، تکبر کی بات تو یہ ایسی برائیاں ہیں جو انسان کے جسم میں پیوست ہیں اور ان کا ظہور بھی انسان کے عمل سے ہوتا رہتا ہے۔ تکبر کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دِل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اور حسد کا ذکر بھی قرآن پاک کی سورت والناس میں مذکور ہے اور اس سے آپ ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔ اور بخل بھی بہت ہی تباہ کرنے والی عادت ہے اور سب سے بخیل وہ شخص ہ جس کے سامنے آپ ﷺ

کا نام مبارک لیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے۔اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ان برائیوں سے بچائے اور یہ ایسی برائیاں ہیں جو انسان کی عبادت کو ختم کر دیتی ہیں۔شیطان کو تکبر ہی نے ذلیل وخوار کیا ورنہ اس کی عبادت تو بہت تھی۔

باقی رہا عشق، اگر صادق ہو تو انسان کے گناہ بھی ڈھل جاتے ہیں اور مرتبہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔بنی اسرائیل کے ایک شخص کی بخشش صرف حضور پاک ﷺ کے نام مبارک کی تعظیم کرنے کی برکت سے ہوگئی حالانکہ وہ بہت زیادہ گناہگار تھا۔ حضرت بشر حافیؒ کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تعظیم کرنے سے توبہ کی توفیق ہوئی۔یہ بھی آپؒ کی محبت اور عشق ہی تو تھا کہ سچے دِل سے بسم اللہ کی تعظیم کی جس کے سبب گناہ بھی دھل گئے اور ولایت بھی مل گئی۔روحانی سفر میں بھی یہی تحریر کیا گیا ہے۔

اعتراض:

ریاض گوہر شاہی نے جو روحانی منازل طے کیے ہیں ان میں عورتوں کا بھی بہت زیادہ دخل ہے۔نہ شرم نہ حیا، نہ پردہ، نہ احتیاط۔اس کے روحانی سفر میں ایک مستانی کا خصوصیت کے ساتھ دخل ہے۔لکھتا ہے:

1۔''میں دِن کو کبھی کبھی اس عورت کے پاس چلا جاتا وہ بھی عجیب وغریب فقر کے قصے سُناتی اور کبھی قہوہ اور کبھی کھانا بھی کھلا دیتی''۔(روحانی سفر صفحہ 34)

2۔'' کہنے لگی آج رات کیسے آ گئے۔میں نے کہا پتہ نہیں اس نے سمجھا شاید اداؤں سے مجھ پر قربان ہو گیا اور میرے قریب ہو کر لیٹ گئی اور پھر سینے سے چمٹ گئی''۔(روحانی سفر صفحہ 32)

ریاض گوہر شاہی اور مستانی کے افسانہ عشق کا ایک اور رنگین واقعہ:

3۔''کبھی کبھی اس کی آنکھوں میں عجیب سی مستی چھا جاتی پھر مختلف اداؤں سے باتیں کرتی۔سیاہ چہرے کو آٹے سے سفید کرتی۔ لڑکیوں کی طرح اتراتی۔جبکہ اس کی عمر 50 سال کے لگ بھگ تھی۔کبھی میرے ہاتھ کو پکڑ کر سینے سے لگاتی اور کبھی ناچنا شروع کر دیتی''۔(روحانی سفر صفحہ 27)

یہ شخص مستانی سے گلے ملنے کا حیا سوز واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

4۔''مستانی نے گلے میں تسبیحاں لٹکائیں، ہاتھوں میں کشکول لیا، کاندھوں پر ریلی اور کمر میں گودڑی سجائی اور پیدل سفر کو تیار ہوگئی۔جاتے وقت مجھ سے مصافحہ کیا اور گلے سے لگا لیا''۔(روحانی سفر صفحہ 38)

جواب / تشریح:

اصل واقعہ کتاب روحانی سفر کے صفحہ 33 سے صفحہ 40 تک دوسرے مختصر واقعات کے ساتھ درج ہے۔حضرت ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہُ العالی نے اپنی کتاب ''روحانی سفر'' میں ایک ایسی عورت سے ملاقات اور گفتگو اور اسکی عادات و اطوار کر

ذکر کیا ہے جو کہ مستانی کے نام سے مشہور تھی۔ اس سفر اور قیام لال باغ میں آپ کے ساتھ جو حالات پیش آئے اور جن سے ملاقات ہوئی ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

اعتراض نمبر 1:

جو اعتراض کیا گیا ہے، صاحبِ عقل آدمی اس اعتراض کو پڑھ کر افسوس ہی کر سکتا ہے کیونکہ اس عبارت میں آپ (حضرت ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہٗ العالی) کا اس مستانی کی جھونپڑی میں جانا اور اس کا فقر کے قصے سُنانا، قہوہ اور کھانا کھلانا مذکور ہے۔ یہ کونسی بُری عادت ہے اس لئے آپ کے پاس جو رقم تھی تقریباً -/500 روپے بچے تھے وہ آپ نے غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی حاجت کے مطابق خوراک کا سبب مستانی عورت کو بنا دیا۔ کیونکہ وہی بہتر مسبب الاسباب ہے جس کو جس طریقے سے چاہتا ہے رزق پہنچاتا ہے۔

اعتراض نمبر 2:

یہ واقعہ ایک ایسی رات کا ہے کہ آپ چلہ گاہ میں اللہ کے ذکر میں مشغول تھے کہ آپ کو ذکر الٰہی کی عبادت سے روکنے کے لئے ایک بدروح بصورت عورت چلہ گاہ تک پہنچ گئی اور قرآن مجید کو پھینکنے لگی۔ آپ نے قرآن مجید اس کے ہاتھ سے لے کر رکھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی عظمت، عزت، احترام آپ کے نزدیک بہت زیادہ ہے۔ دوسری گذارش اس جگہ ذکر کرنے والوں سے یہ ہے کہ ذکر اللہ روکنے کے لئے شیطان کے پاس کئی ہتھیار ہیں۔ کبھی بھی ذکر اللہ کرنے نہ رکیں۔ یہ آپ کی آزمائش بھی تھی۔ اس عورت سے جان چھڑا کو آپ نے مستانی کی جھونپڑی کا سہارا لیا۔ جیسا کہ روحانی سفر میں تحریر ہے۔ راقم الحروف کو بھی تین چار دفعہ انجمن سرفروشانِ اسلام کے ساتھیوں کے ہمراہ چشموں پر شب برأت گزارنے اور ذکر واذکار کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ خاص کر رات کے وقت تو وہاں اور زیادہ ڈر لگتا ہے۔ ایک طرح کا جنگل ہے اور جبکہ کسی قسم کا کوئی سہارا بھی نہ ہو (چلہ گاہ بھی راقم نے زیارت کی ہے) اور یہ رات سردی کی رات تھی۔ لہٰذا آپ کا اپنی جان کی حفاظت کیلئے مستانی کے قدموں میں رلی ہٹا کر سونا عبارت میں مذکور ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت کے پاس نہ تو سردی سے بچنے کے لئے کمبل یا چادر وغیرہ تھی اور نہ کوئی بستر یا دیگر خوراک کا سامان۔ بقول شاہ سلیمان تونسویؒ:

پلّے نہیں بنھ دے رزق پنچھی تے درویش   جنھاں نوں تکیہ رب تے انھاں نوں رزق ہمیش

عبارت میں یہ الفاظ تحریر ہیں جن کو معترضین عقل کے اندھوں نے بھی نقل کیا ہے "وہ میرے قریب ہو کر لیٹ گئی"۔ یہ اس مستانی کی جانب سے ہے۔ ایسی سخت آزمائش کے وقت آپ کے یہ الفاظ ہیں کہ میں لیٹا ہوا سوچتا رہا کہ اب اللہ تعالیٰ ہی حامی وناصر ہے۔ یہ تھا آپ کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل ایمان جو ایمانداروں کی علامت ہے کہ اکیلا ہوتے ہوئے بھی برائی سے رکے جبکہ

اس کا موقع بھی ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی آپ کی اعلیٰ ظرفی اور سچائی کی علامت ہے کہ یہ واقعہ خود تحریر کر رہے ہیں جبکہ اور کوئی اس کا عینی شاہد بھی موجود نہیں ہے اور بعد کی تحریر بھی آپ کی صداقت پر دلالت کرتی ہے جو کہ صفحہ 38 پر مستانی کے الفاظ تحریر ہیں کہ میں تمہارے جیسے کئی طالبوں کو مختلف طریقوں سے گمراہ کر چکی ہوں۔ تم پہلے شخص ہو جو میرے مکر سے بچ گئے۔ ان الفاظ کا بھی مطلب ظاہر ہے کہ اس عورت کی ڈیوٹی ہی یہی تھی اور عورتوں کے مکر کے بارے میں قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے عورتوں کے بارے میں فرمایا:

''ان ربی بکیدھن علیم'' میرا رب ان کا فریب جانتا ہے (سورۃ یوسف رکوع 17)

اور دوسری جگہ سورۃ یوسف میں ہے: ''ان کیدکن عظیم'' بیشک تم عورتوں کا فریب بڑا ہے۔

اعتراض نمبر 3:

روحانی سفر میں جو تحریر مستانی کے بارے میں مذکور ہے یہ اس کی عادت لکھی گئی ہے کہ اس قسم کی عورتیں بھی ہیں جو راہِ حق سے حق کے متلاشی کو ہٹانے کے لئے متعین کی جاتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ثابت قدم رکھتا ہے۔ اس کی عادت میں یہ بھی تھا کہ کبھی سیاہ چہرے کو آٹے سے سفید کرتی اور کبھی لڑکیوں کی طرح اتراتی جب کہ اس کی عمر 50 سال کے لگ بھگ تھی۔ یہ عورتوں کی فطرت تحریر کی گئی ہے کہ اپنے آپ کو خوبصورت بنانا اور جوان ہو کر ظاہر کرنا۔ عام عورت اس قسم کی عادت کی شکار ہوتی ہے لیکن جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہ ان چیزوں سے دور اور ظاہری بناوٹ وغیرہ کا شکار نہیں ہوتی۔

اعتراض نمبر 4:

اس اعتراض میں مستانی کی آخری ملاقات اور آخری الفاظ ''روحانی سفر'' میں درج ہیں کہ آخری ملاقات میں اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور گلے سے لگا لیا۔ یہ عمل بھی مستانی کی طرف سے تھا نہ کہ حضرت سیدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہُ العالی کی طرف سے۔ آپ نے اس کا دِل رکھنے کے لئے یا کسی اور وجہ سے مصافحہ کیا نہ کہ اس کو جائز سمجھتے ہوئے۔ اور نہ ہی آپ کی عادت میں داخل ہے کہ عورتوں سے مصافحہ کرنا یا گلے ملنا جبکہ بے شمار عورتوں کو آپ نے ذکر الٰہی میں مشغول کر دیا ہے اور پاکستان میں جن شہروں میں انجمن کے مراکز گھروں میں قائم ہیں وہاں عورتوں کے بھی مراکز گھروں میں قائم ہیں۔

اصل عبارت:

اب یہی خواہش ہے کہ کسی طریقہ سے حضور پاک ﷺ کا دیدار ہو جائے، رات کا پہلا ہی حصہ تھا، دیکھا ایک سانولے رنگ کا آدمی سر سے ننگا میرے سامنے موجود ہے گلے میں ایک تختی پر بغیر زیر و زبر کے محمد لکھا ہوا ہے۔ آواز آئی یہی رسول اللہ ہیں سجدہ تعظیمی کر لو۔ میرے ذہن میں سوال اُبھرا رسول اللہ ﷺ تو نوری ہیں، یہ سانولے کیوں ہیں۔ جواب آیا

تیرا دِل ابھی سیاہ ہے۔ سیاہ آئینے میں سفید بھی سیاہ ہی نظر آتا ہے۔ بات سمجھ میں آئی اُٹھنا چاہا لیکن معلوم ہوا کہ جسم پر سخت گرفت ہے اور وہی سایہ سر پر مسلط ہے۔

قدم بوسی کا لمحہ گزر گیا۔ دِل میں سخت ملال ہے اور اس سایہ پر بڑا غصہ آ رہا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ سایہ کو خوب گالیاں بکوں لیکن یہ بھی خیال آتا ہے کہ اسی سے ہدایت بھی ہوئی اور خون جگر پی کے رہ جاتا ہوں۔ وقت گزرتا گیا۔

اعتراض: حضور انور ﷺ کے متعلق لکھا ہے کہ معاذ اللہ شیطان بدیں حلیہ آپ کی صورت میں آیا کہ ''سانولے رنگ کا آدمی سر سے ننگا میرے سامنے موجود ہے۔ گلے میں ایک تختی پڑی ہوئی ہے۔ جس پر بغیر زیر وزبر کے محمد لکھا ہوا ہے۔ آواز آئی یہی رسول اللہ ہیں۔ (روحانی سفر صفحہ 21)

حالانکہ حضور (ﷺ) کا ارشاد ہے ''شیطان میری صورت اختیار کر کے دھوکہ نہیں دے سکتا'' (او کما قال علیہ الصلوۃ والسلام)

جواب/ تشریح:

سب سے پہلے زیارتِ اقدس ﷺ کی تشریح کی جاتی ہے۔ پھر مذکورہ بالا عبارت کا تقابلی جائزہ تاکہ زیارتِ اقدس ﷺ سے مشرف ہونے والے حضرات ان علامات سے حق و باطل کی تمیز کر سکیں۔ سب سے پہلے سلطان باھوؒ کی تحریر کردہ کتاب ''نورالھدیٰ'' جس کا ترجمہ فقیر نور محمدؒ نے کیا ہے کی عبارت نقل کی جاتی ہے:

''اگر کوئی شخص خواب یا مراقبے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھے تو یہ سمجھے کہ اس نے سچ مچ آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے کیونکہ شیطان کو قدرت اور طاقت نہیں کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شکل پر متمثل ہوسکے اور نہ وہ خانہ کعبہ کی صورت اور نہ قرآن کی صورت ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ مظاہر نور و ہدایت ہیں اور شیطان مجسم نارِ ضلالت ہے۔ لہٰذا جس مجلس میں ان مظاہر ہدایت میں کوئی چیز نظر نہ آئے تو ایسی مجلس کا کوئی اعتبار نہیں ہے''۔ (نورالھدیٰ صفحہ 166)

مینارہ نور میں زیارت آنحضرت ﷺ کی تشریح بھی ''نورالھدیٰ'' کی عبارت کے ساتھ ملتی جلتی ہے:

''خواب، مراقبے یا کشف میں جب مجلس محمدی ﷺ میں پہنچے گا تو دیواروں سے اتنا نور برس رہا ہوگا کہ آنکھیں خیرہ ہوں گی یعنی نظر کا ایک جگہ ٹھہرنا مشکل ہوجائیگا۔ جب بھی سامنے آئے گا تو تجلیات کا یہ عالم ہوگا کہ دیکھے تو جان جائے نہ دیکھے تو حیران و پریشان ہو اور مجلس میں تلاوت یا کلمہ طیبہ یا درود شریف کا ذکر ہو رہا ہوگا۔ دیدار ہوگا۔ دیدار کے بعد اس کا دِل دُنیا سے سرد ہو چکا ہوگا۔ عبادت میں شوق، آنکھوں میں نمی، عاجزی اور نفسانی خیالات کافور ہو چکے ہونگے۔ تب وہ مجلس حقیقی متصور ہوگی۔ اور کوئی اگر مجلس خاموش ہو اور یہ حالت پیدا نہ ہو اُلٹا تکبر غرور، نفسانی خواہشات کا زور ہو جائے تو وہ مجلس باطل متصور ہوگی۔ خواب و مراقبے والے بے اختیار ہوتے ہیں لیکن کشف والے ہوشیار رہتے ہیں۔ کشف والوں کو چاہیے کہ جب کبھی ایسی محفل میں

جائیں تو درودشریف اورلاحول ولاقوۃ زیادہ پڑھیں تا کہ حق کی پہچان میں اور بھی سہولت ہو۔(مینارہ نورصفحہ 49)

اوراسی طرح کی عبارت روحانی سفر کے صفحہ 51 پر بھی درج ہے۔مکتوبات مجدد الف ثانیؒ حصہ پنجم میں درج ہے۔ مجدد الف ثانی نے صاحبِ فتوحاتِ مکیہ کے حوالے سے اپنے مکتوبات شریف (حصہ پنجم 731،730) میں لکھا ہے کہ شیطان لعین آنخضرت ﷺ کی اس صورت خاصہ کے ساتھ جومدینہ منورہ میں مدفون ہے متمثل نہیں ہوسکتا،اس خاص صورت کے سوا اور جس صورت میں حضور ﷺ کو دیکھیں متمثل ہوسکتا ہے۔

مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس صورت سے احکام کا اخذ کرنا اور مرضی کا معلوم کرنا مشکل ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دشمن لعین درمیان میں آگیا ہواور خلاف واقع کو واقع کی صورت میں ظاہر کیا ہو۔اور دیکھنے والے کو شک وشبہ میں ڈال دیا ہواور عبارات واشارات کو اس ﷺ صورت میں صاحبہا الصلوۃ والسلام کی عبارات واشارات کر دکھایا ہو(مکتوبات شریف شائع شدہ:مدینہ پبلیشنگ کمپنی،کراچی)

روحانی سفر کے صفحہ 24،25 پر بھی اسی طرح کی عبارت تحریر ہے۔جب سیدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہُ العالی کو زیارت اقدس نصیب ہوئی تو اس محفل میں بھی درود شریف پڑھا جارہا تھااور یہ برحق ہے۔روحانی سفر کی عبارت اس طرح ہے:

”رات کے تقریباً تین بجے ہونگے ذکر کی مشق کے بعد کھڑے ہوکر دور دشریف کا ورد کر رہا تھا۔فجر کا سماں ہو گیا چشموں کی طرف سے بے شمار مرد اور بے شمار عورتیں قطار در قطار کھڑی ہیں،سوچتا ہوں کہ شاید آج کوئی مرتبہ ملنے والا ہے یہ لوگ مجھے دیکھنے کے لئے آئے ہیں لیکن خیال آتا ہے کہ ان کی پشت میری طرف ہے یہ کسی اور کا انتظار کر رہے ہیں۔مغرب کی طرف سے ایک سبز رنگ کا روضہ اُڑتا آرہاہےاور جہاں وہ لوگ جمع ہیں وہیں اُتر گیا۔روضے میں سے ایک نورانی صورت نمودار ہوئی عورتوں نے دیکھ کر جھومنا شروع کر دیا۔ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے **یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک** مرد بھی جھوم رہے تھےاور **الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** پڑھ رہے تھے اب وہ بزرگ مجمع سے گزر کر میری طرف بڑھے جوں جوں قریب آرہے تھے خوشی سے آنسو جاری ہوگئے دیکھنے کی خواہش ہے لیکن نظر اوپر کو نہیں اُٹھتی نور ہے جسے آنکھوں کو دیکھنے کی تاب نہیں۔نہ دیکھوں تو ارمان رہے اور دیکھوں تو جان جائے۔

جب تقریباً دس بارہ فٹ کے فاصلے پر پہنچے تو جسم جھومتے جھومتے بے قابو ہو گیا اور زمین سے چار فٹ اُٹھ گیا یعنی ہوا میں جھوم جھوم کر درود شریف پڑھا جا رہا تھا۔مستی کا عالم بڑھا بے ہوشی طاری ہونے لگی اور پھر جسم زمین پر گرنے کی آواز آئی۔جب ہوش آیا تو وہ پورا علاقہ کستوری جیسی خوشبو سے مہک رہا تھا۔دوسری شب روضہ مبارک کی حاضری ہوئی جب دروازے سے اندر داخل ہوا تو دیواروں سے اتنا نور برس رہا تھا کہ آنکھیں اوپر اُٹھائی نہ جاسکتی

تھیں کچھ قدم آگے بڑھا لیکن تاب نہ لا سکنے کی وجہ سے واپس آنا پڑا۔ تین دِن بعد پھر روضہ مبارک کا دیدار ہوا۔ اب بھی دیواروں کی وہی حالت تھی لیکن آنکھوں میں کچھ تاب آ گئی تھی اس وجہ سے نظر حضور پاک کے قدموں تک پہنچ گئی لیکن چہرہ مبارک کو نہ دیکھا جا سکا اور پھر کئی دِنوں کے بعد آخر نظر چہرہ مبارک پر ٹک ہی گئی پھر ایسی ٹکی کہ ہٹنے کا نام ہی نہ لیتی۔ مجبوراً واپسی ہوئی اور یہ شعر دِل میں گونجتا رہتا:

ہم مدینے سے اللہ کیوں آ گئے

قلبِ حیران کی تسکیں وہیں رہ گئی''

مذکورہ بالا چار عبارات کا اگر روحانی سفر صفحہ 21 سے موازنہ کیا جائے تو کسی لحاظ سے بھی درست ثابت نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اصل زیارت اقدس ﷺ کی علامات میں کوئی علامت موجود نہیں۔ رہا سوال یہ کہ حضور ﷺ کا فرمان اقدس کہ شیطان میری صورت اختیار کر کے دھوکہ نہیں دے سکتا کا مطلب بھی واضح ہے کہ آپ کی اصل صورت اختیار کرنے کی شیطان کو طاقت ہی نہیں ہے جس طرح ظاہر میں جھوٹی نبوت کے دعویدار ہوئے ہیں اسی طرح باطن میں بھی دھوکہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے اولیاءِ کاملین جو اس سعادت سے مشرف ہوئے جو علامات دیکھیں تحریر کر دیں اور قرآن پاک کی آیت ان اللہ و ملائکتہٗ یصلون علی النبی. ....(الخ) کے تحت بھی یہ حکم علی الاتصال ہے۔ زیارت اقدس کے وقت بھی درود شریف پڑھا جا رہا ہو گا۔ تب وہ مجلس حقیقی متصور ہو گی اور ان علامت کے بغیر جس طرح فقیر صاحبؒ نے لکھا ہے ایسی مجلس کا کوئی اعتبار نہیں ہے یہی برحق ہے اور سمجھنے والے کے لئے کافی ہے۔

اصل عبارت:

ان کی ولایت مسلّم تھی لیکن ان سے بظاہر کئی خلاف شریعت کام سرزد ہوئے جیسا کہ سمن سرکارؒ کا بھنگ پینا، لال حسین شاہؒ کا نسوار اور چرس پینا، سدا سہاگنؒ کا عورتوں سا لباس پہننا اور نماز نہ پڑھنا، امیر کلالؒ کا کبڈی کھیلنا، سعید خزریؒ کا کتوں کے ساتھ شکار کرنا، خضر علیہ السلام کا بچے کو قتل کرنا، قلندر پاکؒ کا نماز نہ پڑھنا داڑھی چھوٹی اور مونچھیں بڑی رکھنا حتیٰ کہ رقص کرنا، رابعہ بصریؒ کا طوائفہ بن کر بیٹھ جانا، شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانے میں ایک ولیہ کا ننگے تن گھومنا۔ لیکن سخی سلطان باھوؒ نے فرمایا تھا کہ بامرتبہ تصدیق اور نقالیہ زندیق ہے۔

جواب / تشریح:

مذکورہ بالا عبارت کا جواب روحانی سفر کے آخری اوارق پر موجود ہے لیکن پھر بھی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

معترضین کی عبارت اس لئے نقل نہیں کی کہ بہت طویل ہے اور کیا کیا فتوے صادر فرمائے ہیں۔ اللہ ان کو سیدھے راستے

کی ہدائت فرمائے۔عبارت بطور تمثیل تحریر کی گئی ہے۔جب ماضی کے کسی واقعہ کو مختصر الفاظ میں بطور تمثیل لکھا جاتا ہے تو اس کا یہی طریقہ ہے جو روحانی سفر میں تحریر کیا گیا ہے۔

جیسا کہ نجاشی کا اسلام قبول کرنا،صحابہ کرام کا بیت المقدس فتح کرنا وغیرہ۔اسی طرح روحانی سفر میں بعض اولیاءِ کرام کے واقعات کو بطور تمثیل تحریر کیا گیا ہے۔سدا سہاگن کا واقعہ بھی ملفوظات اعلحضرت حصہ چہارم صفحہ 364 پر موجود ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ سورۃ کہف پارہ 15 اور 16 پر موجود ہے۔مختصر ترجمہ تحریر ہے:

1۔''اب دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے۔بندہ نے اسے چیر ڈالا''۔

2۔''پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکا ملا۔اس بندہ نے اسے قتل کر دیا''۔

3۔''پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں میں ایک دیوار پائی کہ گرا چاہتی ہے اس بندہ نے اسے سیدھا کر دیا''۔

(ترجمہ اعلحضرت احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

یہ تینوں صیغے ماضی کے ہیں جس میں صرف ایک واقعہ کو بطور تمثیل تحریر کیا گیا ہے۔نہ کہ کسی کی شان میں بے ادبی یا گستاخی کی گئی ہے۔

.... تمت بالخیر ....

نوٹ: قارئین سے گزارش ہے کہ اس تحریر کو پڑھنے کے بعد جھوٹ اور سچ کا خود فیصلہ کریں۔

انجمن سرفروشانِ اسلام، انٹرنیشنل